www.urdukutabkhanapk.blogspot.com
urdukutabkhanapk.blogspot
28
واصف علی واصف
www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

واصف علی واصف

گفتگو-28

کاشف پبلی کیشنز
A-301 جوہر ٹاؤن، لاہور

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

نام کتاب ..... گفتگو - 28

مصنّف ..... واصف علی واصفؔ

سالِ اشاعت 2012ء

بار ..... اوّل

قیمت ..... ~~230/-~~ 300/- روپے

کاشف پبلی کیشنز

301 - اے، جوہر ٹاؤن، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز: خزینہ علم و ادب

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

رُخ بدل جاتا ہے ہر طوفان کا
بات کیا ہے نالۂ شب گیر کی

(واصف علی واصفؒ)

عرضِ ناشر

دنیائے علم کی تاریخ گواہ ہے کہ علم کی ترسیل کیلئے سوال و جواب سے بہتر کوئی میڈیم میسر نہیں آسکا۔ طالب علم درحقیقت علم کا طالب ہوتا ہے۔ علم کا طالب سوال کا کشکول لے کر درِ ارشاد پر حاضر ہوتا ہے ...... اور صاحبِ ارشاد اُس کی طلب اور ظرف کے مطابق اس کے کاسۂ شعور میں تصرف کرتا ہے اور اِرشاد کی صورت میں جواب دَان کرتا ہے۔ قطبِ اِرشاد حضرت واصف علی واصفؒ نے بےتعلق تبلیغ سے منع فرمایا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سوال اور جواب کا تعلق علم کی اشاعت کو ایک بےتعلق تبلیغ نہیں رہنے دیتا۔ ترسیلِ علم میں تاثیر' جہاں صاحبِ اِرشاد کی موجِ علم اور کرامتِ کردار کا کرشمہ ہے' وہاں طالب کی شدّتِ طلب اور صدق بھی مہمیز کا کام کرتی ہے۔ آپؒ کا ارشاد ہے کہ سننے والے کا شوق بولنے والے کی زبان کر تیز کرتا ہے۔ گفتگو کی محفل میں آپؒ حاضرینِ محفل سے فرمایا کرتے کہ یہ سوالات اور اِن کے جوابات صرف آپ لوگوں ہی کیلئے نہیں ہیں، بلکہ آپ کا جتنا حصہ ہے' وہ آپ لوگ لے لیں گے اور پھر یہ دریا

آگے بڑھ جائے گا، اِسے آنے والی صدیاں بھی سیراب کرنا ہے۔

؎ واصفی فکر میں ہر سوچ سجی لگتی ہے
یہ صدی حضرتِ واصفؒ کی صدی لگتی ہے

اہلِ فکر و دانش اس بات پر متفق ہیں کہ دَورِ حاضر میں رواج پا لینے والی ژولیدہ خیالی اور ڈیپریشن کے فکری اور رُوحانی علاج کیلئے حضرت واصف علی واصفؒ کے اقوالِ پُرحکمت تیر بہدف نسخہ جات ہیں۔

کلامِ واصف تحریر کی صورت میں ہو، یا بیان کی شکل میں، اہلِ ہنر کیلئے ایک گنجینۂ معانی ثابت ہوتا ہے۔ حضرت واصف علی واصفؒ کے تحریری اَقوال معانی کے قلزم کو ایک قطرے کی صورت میں منتج (culminate) کرتے ہیں جبکہ ''گفتگو'' انہی قطروں کو شعور کے اُفق پر کچھ اس طرح بکھیر (sublimate) دیتی ہے کہ معانی کی ایک قوسِ قزح پیدا ہو جاتی ہے۔

سوال و جواب کے سلسلے کی ۲۸ ویں کتاب حاضر ہے۔ اُمید ہے کہ طالبینِ علم و حکمت اِس سے مستفید ہوں گے اور راہِ حق میں اِرشاد اور صاحبِ اِرشاد سے بتوفیقِ اِلٰہی اِستمداد حاصل کریں گے۔

فہرست

[1]

[2]

[3]

[4]

[5]

..... O .....

(1)

1 سر! کئی بار سنتے ہیں کہ یہ غیب ہے' تو غیب سے کیا مراد ہے؟

2 ..... جو غیب ہے وہ ذاتی تجربے یا احساس کی بات ہے

3 کیا غور کرنے اور تحقیق کرنے میں کوئی فرق ہوتا ہے؟

4 سر! یاد اور یادداشت کا کیا مقام ہے؟

5 سر! کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ انسان اپنے عدم موجودگی کے زمانے کو موجودہ زمانے میں یاد کرے.....

6 ..... کیا روح کا جو تجربہ ہے وہ اس زندگی میں ہوسکتا ہے؟

7 کیا ہر سوال کا جواب کوئی عالم آدمی دے سکتا ہے؟

8 سر! یہ جو تقلید ہے وہ تمام Mental Complexities کی Simplicity تو نہیں۔

9 آپ نے فرمایا ہے کہ دعا کرو کہ اچھا گروہ آجائے.....

10 ..... اگر کسی انسان کی تھوڑی سی Help کردیں تو وہ انسان کا بہت ممنون ہوتا ہے .....

11 سر! کیا سیاست شوق کا نام ہے یا خبط کا نام ہے؟

یہ ہم نے مان لیا کہ اللہ کریم زندگی دینے والا ہے اور زندگی لینے والا بھی وہی ہے۔ اس نے اپنا اظہار کتاب کی شکل میں فرمایا' کتابِ مبین کی شکل میں فرمایا اور اس نے پیغمبروں کے ذریعے یہ بتا دیا کہ لوگوں سے اُسے کیا توقعات ہیں' کہ ہم تم لوگوں سے یہ چاہتے ہیں اور تم یہ یہ کام کرو۔ اگر آپ تحقیق کرنے لگ جائیں کہ یہ کام کرنے چاہئیں یا نہیں کرنے چاہییں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ نے جب مان لیا تو اس کے مطابق چلو۔ تحقیق کرنے والا جو محقق ہے وہ ساری عمر تحقیق کرتا رہے اور جب وہ کسی مذہب کا قائل ہو جائے تو اس کے بعد تحقیق بند ہے۔ پھر آپ ہی مذہب کا Defence ہو۔ بجائے اس کے کہ آپ Question کرو' پھر آپ ہی کے ذریعے وہ بات چلے گی۔ پھر اگر آپ سے پوچھا جائے کہ خدا کا ثبوت کیا ہے تو کہو کہ خدا کا ثبوت یہ ہے کہ میں مانتا ہوں۔ یعنی جب آپ نے بات تسلیم کر لی۔ اگر تسلیم نہیں کی تو پہلے یہ بتاؤ کہ میں نے تسلیم نہیں کی۔ یہ اللہ کریم نے پیغمبروں کے ذریعے فرما دیا ہے کہ یہ یہ واقعات ہیں' خدا کو ماننا ہے' یہ تسلیم ہے' یہ روزہ ہے اور یہ دوسری چیزیں ہیں' ان سے یہ واقعات بہتر ہو جائیں گے۔ اب پتہ نہیں کہ اس سے واقعات بہتر ہوتے ہیں کہ

نہیں ہوتے' مسلمانوں کی حالت باقی قوموں سے بہتر ہوتی ہے کہ نہیں ہوتی —— یہ مقابلہ نہیں ہے بلکہ مقابلہ یہ ہے کہ اعمال کا حیات مابعد میں کیا فرق پڑے گا۔ کافروں کی زندگی مسلمانوں سے بہتر لگتی ہے لیکن ان کے لیے ایک سخت اور دردناک ٹھکانہ بنا کے رکھا گیا ہے۔ اس لیے اگر آپ ان باتوں کی تحقیق کرنے لگ جائیں گے تو تسلیم سے باہر ہو جائیں گے اور پھر وہاں سے بحث شروع کر لیں گے۔ اگر تسلیم کر لیا تو اس کے مطابق چلتے جاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تسلیم کرنے کے بعد تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ آپ ہی سمجھ عطا فرماتا ہے ——

ثاقب صاحب بولیں ——

سوال:-

سر! کئی بار سنتے ہیں کہ یہ غیب ہے' تو غیب سے کیا مراد ہے؟

جواب:-

غیب کی ضد جو ہے وہ ظاہر ہے' ظہور ہے یعنی غیاب وظہور۔ وہ چیز جو آپ کی نگاہوں پر بظاہر آشکار نہ ہو اس کو آپ اپنے طور پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ غیب ہے۔ دیوار کے پرے جو کچھ ہے' حالانکہ وہ ہے' دوسرے پر وہ آشکار ہے۔ مثلاً باہر کا کیا موسم ہے؟ باہر سے آتے والے کو پتہ ہے کہ یہ موسم ہے۔ یہ اس کا ظاہر ہے اور آپ کے لیے یہ غیب ہے۔ اور اگر وہ بیان کر دے تو وہ آپ کے لیے بھی ظاہر ہو گیا۔ اس کو Define کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے علم کی سرحد کے

اندر یا مشاہدے کی زد کے اندر جو کچھ ہے اس کو آپ ظاہر یا حادث کہو۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ حالانکہ ہے لیکن آپ کے لیے وہ غیب ہے۔ اگر قربانی کا دن ہے اور آپ کے ہاتھ میں چھری ہے تو آپ کی وہ چھری بکرے کا غیب ہے اور آپ کا حاضر ہے کیونکہ آپ بکرا قربانی کی نیت سے لائے ہو۔ بکرے کے لیے وہ غیب ہے کہ پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے۔ یعنی کہ بکرا اس بات سے لاعلم ہے جس بات کا آپ کے پاس علم ہے۔ عام طور پر جو لوگ کہتے ہیں کہ غیب سے آشنا ہونا یا نہ ہونا' یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ انسان اپنے دائرہ معلومات میں موجود رہتا ہے۔ معلومات احساس کو بھی کہتے ہیں اور یہ Intuition کو بھی کہتے ہیں۔ جتنی جتنی بات آپ کی تحقیق کی زد میں آتی ہے اُسے آپ اپنا علم کہہ لیں یا اپنا مشاہدہ کہہ لیں اور اس کے بعد بھی بہت کچھ ہے' وہی آپ کے لیے غیب ہے۔ جو ایک آدمی کا غیب ہے ممکن ہے کہ وہ دوسرے کا ظہور ہو۔ مثلاً

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

اس کی آنکھ کچھ اور ہی دیکھتی ہے۔ ہم نے تو اپنے آپ کو محوِ حیرت نہیں دیکھا۔ وہ کہتا ہے کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے ____ اب جس کو وہ آنے والا وقت کہتا ہے اس کی نگاہ پہ عالم اسرار موجود ہو گیا اور وہ باقیوں کو بتا تا رہتا ہے۔ تمام بشیر نذیر اور جتنے بھی Warner ہیں یہی کام کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ طوفان آئے گا اور کنارے ڈوب جائیں گے۔ اُس

سے پوچھو کہ تجھے کیسے پتہ چلا کہ ایسا وقت آنے والا ہے، ہمیں تو پتہ نہیں چلا___ یہ ہے آپ کا علم جو کہ معلوم نہیں ہوتا ہے اور اس کا علم جو ہے ممکن ہے کہ وہ Calculation میں ہو، ممکن ہے کہ سائنس کے ذریعے ہو، ممکن ہے کہ Intuition کے ذریعے ہو اور ممکن ہے کہ

؎ از کجا می آید ایں آوازِ دوست

کہیں اور سے اُسے مشاہدہ ہو جائے، یا خواب میں اس کو علم ہو جائے، یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی Little Bird آ کے Whisper کر جائے، ایک پرندہ آیا اور اس کے کان میں بات کہہ گیا کہ دیکھو ایسا واقعہ ہوگا۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟

سوال:-

سر! اس کا مطلب یہ ہے کہ جو غیب ہے وہ ذاتی تجربے یا احساس کی بات ہے اور ہر ایک کے لیے وہ غیب نہیں ہے۔

جواب:-

وہ جو غیب ہے وہ آپ کے لیے غیب ہے یعنی ایک آدمی کے لیے۔ اس کی جتنی نظر ہو گی وہاں تک اس کا ظہور ہو گا اور نظر کے باہر، ماورائے نظر جو ہے وہ اس کا غیب ہے۔ اب دوسرا انسان جو کہ Calculate کرنے والا ہے اس کی نگاہ آگے، دور تک جاتی ہے۔ وہ اس کا ظاہر ہوگا۔ تیسرا آدمی کچھ اور ہی بات جانتا ہے کہ یہ ہونے والا ہے، تو اس کے لیے وہ ظاہر ہے۔ کچھ لوگ جو ہیں وہ کل سے بے خبر ہیں یعنی آنے والے کل سے، انہیں پتہ نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ اور

کچھ لوگوں کو اپنے پروگرام کا پتہ ہے کہ کل یہ ہونے والا ہے' ایسا دن ہوگا' موسم ایسا ہوگا' یہ ہوگا' وہ ہوگا۔ اس کا اندازہ' مفروضہ اور خیال ہوتا ہے کہ ایسا ہوگا' کل ضرور یہ بات ہوگی۔ یہ اس کا ظاہر ہے۔ یہ کیسے ہے؟ روٹین کے دم سے' تجربات کی روشنی میں۔ لیکن کچھ اچانک واقعات ہوتے ہیں جو کچھ لوگوں پر ظاہر ہوتے ہیں اور کچھ پر نہیں ہوتے۔ اس لیے پیغمبروں کا جو علم ہے وہ موجود سے بہت دور تک ہے۔ کیونکہ موجود والے تو اس پہ جھگڑا کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ ایک ایسا واقعہ ہوگا' مرنے کے بعد ایک اور زندگی آئے گی۔ مرنے کے بعد جو واقعہ ہوگا وہ مرنے سے پہلے کیسے معلوم ہوسکتا ہے۔ مرنے کے بعد کا واقعہ آپ کے لیے غیب ہے اور جو لوگ یہ بتا رہے ہیں ان کے لیے یہ حاضر ہے۔ اللہ کریم جو کہ خالق ہے اس نے اپنے لیے علام الغیوب کا لفظ کہا تاکہ آپ کو بات سمجھ آجائے ورنہ تو وہ خالق الغیوب ہے اور اس کا غیب ہے ہی نہیں۔ خالق کے لیے کیا غیب ہوسکتا ہے' ماضی حال اور مستقبل' سارے زمانے وہ خود پیدا فرمانے والا ہے۔ اس لیے اللہ کا غیب کے ساتھ یوں تعلق نہیں ہے جیسا کہ آپ سمجھتے ہیں کہ وہ غیب جاننے والا ہے۔ وہ تو خالق ہے اور خالق کی نگاہ سے کسی امر کے پوشیدہ ہونے کا قطعاً سوال پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور خالق اپنے محبوب ﷺ پر درود بھیجتے ہیں' محبت کرتے ہیں' پیار کرتے ہیں' پاس بلاتے ہیں' اپنے آسمان دکھاتے ہیں' سیر کراتے ہیں' عرش دکھاتے ہیں' لامکان دکھاتے ہیں' سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کراتے ہیں' قاب قوسین کی سیر کراتے ہیں' مقام محمود کی سیر

کراتے ہیں بلکہ بڑے انعامات اور تجلیات عطا فرماتے ہیں ___ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کی سیر کراتے ہیں ___ اس میں کیا بعید ہے کہ اللہ آپ ﷺ کو زمانوں کی بھی سیر کرادے۔ آسمانوں کی سیر تو کراتے ہیں اور اگر وہ زمانوں کی سیر کرادے آنے والے دور کی سیر کرادے گزرے ہوئے زمانے کی سیر کرادے تو پیغمبر ﷺ کے لیے غیب کے نہ جاننے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اللہ نے فرمایا کہ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ کیا واقعہ ہوا لشکر والوں کا۔ یعنی کہ ''کیا آپؐ نے دیکھا نہیں ہے'' محاورہ بھی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے دیکھا ہو۔ اس لیے پیغمبر ﷺ کے لیے بھی یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ آپؐ کا غیب کیا ہے کیونکہ عطا فرمانے والے نے جتنا عطا فرمادیا وہ اس کی مرضی ہے۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ ان کا بھی غیب ہے تو آپ کی بتائی ہوئی جو Warnings ہیں وہ معنی سے باہر ہوجائیں گی۔ اس لیے علم کی شکل میں آپ جو عطا فرمارہے ہیں وہ ان کا مشاہدہ ہے بلکہ فقراء کہتے ہیں کہ وہ آپؐ کا تجربہ ہے۔ پیغمبر ﷺ آنے والی زندگی بھی گزار کے آتے ہیں۔ یعنی کہ آنے والا زمانہ بھی ان کا گزرا ہوا زمانہ ہوتا ہے۔ یہ ایک الگ کہانی ہے غور طلب ہے کہ یہ کیا ہوتا ہے۔ یعنی گزرا ہوا زمانہ بھی ان کا موجود زمانہ ہوتا ہے اور آنے والا زمانہ بھی ان کا گزرا ہوا زمانہ ہوسکتا ہے۔ وہ بیک وقت حال مستقبل اور ماضی سب کے مسافر ہوتے ہیں سب کا علم رکھتے ہیں اور سب ان کا حاضر ہوتا ہے۔ ایسا ہوسکتا ہے۔ میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ یہ جو راہی سفر ہے عمودی سفر ہے زمین سے آسمان تک کی بلندیوں کا سفر ہے

یا انسان سے خدا تک کا جو سفر ہے یہ جتنا بلند ہوگا اتنا اس کا پھیلاؤ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر زمین سے سدرۃ المنتہیٰ کا فاصلہ طے کرایا جا سکتا ہے تو ماضی سے مستقبل کے فاصلے میں کیا دیر ہے۔ اس لیے آپؐ پر غیب کا آشکار ہونا ہمارا ایمان ہے۔ ورنہ Perfection نہیں آئے گی۔ Calculation یہ بتا سکتی ہے، سائنس بتا سکتی ہے کہ پانچ ہزار سال بعد یہ واقعہ ہونے والا ہے، سائنس کے اندازے تقریباً صحیح ہو سکتے ہیں کہ یہ شکست و ریخت ہو رہی ہے، پہاڑ ٹوٹنے والے ہیں ___ سائنس یہ بتاتی ہے، سائنس یہ بتاتی ہے کہ یہاں سے دریا روانہ ہونے والا ہے، یہاں سے چشمے پھوٹ جائیں گے، یہاں Barrenness ہو جائے گی، Wilderness ہو جائے گی، یہ صحرا بن جائے گا، یہاں سمندر آنے والا ہے، یہ واقعات ہونے والے ہیں، سائنس یہ بتاتی ہے اور سائنس کے یہ اندازے سچ ہو سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کچھ ملین ایئرز کے بعد ایسا واقعہ ہو جائے گا، تو وہ ہو بھی جائے گا۔ سائنس کی بتائی ہوئی بات پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ سائنس بھی اس کے علوم میں سے ایک علم ہے اور جو Intuition ہے یا الہام ہے یا وحی ہے وہ بھی اللہ کے عطا کیے ہوئے علوم میں سے ایک علم ہے۔ جن کو اللہ نے وحی سے نوازا تو وحی کا جو Concept ہے یا وحی کی وسعت ہے یا وحی کی Depth ہے یہ صاحبِ وحی جان سکتا ہے۔ وہ جان سکتا ہے کہ وحی کیا ہوتی ہے اور صاحبِ الہام جو ہے وہ الہام کو جان سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ پاک کی تفسیر جو ہے اس میں کمی بیشی رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کتاب اور اللہ کی طرف سے وحی

کے ذریعے آنے والی کتاب کی تفسیر کرنے کے لیے کم از کم صاحبِ الہام ہونا ضروری ہے۔ یہ کتاب یوں نہیں ہے کہ کسی پریس سے نکلی ہو‘ ایسا نہیں ہے کہ یہ کسی کتاب پر Depend کر رہی ہو‘ یہ کتاب وحی کے ذریعے آ رہی ہے‘ آسمانوں سے نازل ہو رہی ہے۔ اس لیے مفسرین جو تفسیر بیان کر رہے ہیں کم از کم ان کا آسمان کے ساتھ تھوڑا سا رابطہ ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیروں میں فرق ہے جب کہ کلام ایک ہے۔ صاحبانِ تفسیر جو ہیں وہ قرآن پاک کو دورِ جدید کے Concept میں بیان کر دیتے ہیں کیونکہ ان کے سامنے اپنے دور کے سامعین ہوتے ہیں یا پڑھنے والے قارئین ہوتے ہیں‘ اس لیے وہ ایسی تفسیر کرتے ہیں کہ جس سے وہ حال میں خود Popular ہو جائیں‘ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آنے والے زمانے میں وہ تفسیر جو ہے اپنا ماضی بدلنا چاہتی ہے۔ اس لیے جتنے درویش ہیں اور فقیر ہیں انہوں نے کم ہی تفسیر لکھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تفسیر ہو جانا بہتر ہے‘ تفسیر کی ضرورت کوئی نہیں جب کہ کلام موجود ہے۔ اس لیے پیغمبر ﷺ کو اگر عالم الغیب کہہ دیا جائے تو یہ گناہ نہیں ہوگا‘ عین ایمان ہوگا۔ اللہ کو کہا جائے عالم الغیب والشہادۃ تو اللہ کے حبیب ﷺ کو بھی کہہ دیا جائے عالم الغیب والشہادۃ۔ اور اپنے آپ کے لیے تم کیا کہو گے؟ کہ ہم ماننے والے ہیں عالم الغیب والشہادۃ کے۔ ہم جانتے تو نہیں کہ عالم الغیب کتنا ہے لیکن ہم مانتے ہیں کہ ایک عالم الغیب ہے۔ اللہ کریم جس پر جو آشکار کر دے۔ یہ جو ہمارے ہاں باطن کا لفظ آیا ہے تو یہ باطن کیا ہوتا ہے؟ من

کی دنیا کیا ہوتی ہے؟ باطن کا معنی ہے کہ جو ظاہر کے برعکس ہو۔ ظاہر کا علم بھی کچھ لوگوں کے لیے باطن ہی ہے' کسی نے ایک کتاب پڑھی ہے جو دوسرے نے نہیں پڑھی' اُس کے لیے یہ ظاہر اور اِس کے لیے یہ ظاہر نہیں ہے' غیب ہے۔ کتنی ہی کتابیں ہیں جو انسان نے نہیں پڑھیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے' دوسرا کہتا ہے کہ کیا پتہ کیا لکھا ہوا ہے۔ پرندوں کے بارے میں اتنی کتابیں ہیں کہ وہ سارا آپ کے لیے غیب ہے۔ آپ نے جو علم حاصل نہیں کیا وہ آپ کا غیب ہے اور آپ نے جو علم حاصل کر لیا وہ آپ کا ظاہر ہو سکتا ہے' ممکن ہے کہ وہ بھی پورا نہ ہو کیونکہ اس علم کے کتنے ہی گوشے آپ کے لیے غیب ہوں گے۔ اور علم پیدا کرنے والے کا غیب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اپنی محبت کے ذریعے علم بتانے والے کا کیا غیب ہو سکتا ہے___ باقی یہ کہ کائنات کی وسعتیں کسی سائنس کے بس میں نہیں ہیں' کسی جاننے والے انسان کے بس میں نہیں ہیں بلکہ یہ خالق اور خالق کی مہربانی کے بس میں ہیں۔ جیسا میں نے بتایا تھا کہ اقبالؔ جو ہے وہ کتنا نکتہ داں اور نکتہ رس ہو گیا اور اس نے یہ کہہ دیا کہ یہ مولانا رومؒ کی توجہ سے ہے۔ کہ پیر رومیؒ نے کر دیا آ گاہ۔ ''آ گاہ'' کیا ہوتا ہے' باطن کیا ہوتا ہے' یہ ہوتا ہے کہ اچانک کوئی واردات ہو جائے

گاہ میری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ اُلجھ کے رہ گئی میرے توہّمات میں

''نگاہِ تیز'' سے باطن کی طرف چلا گیا' غیب کی طرف چلا گیا اور ''اُلجھ کے رہ گئی''

جو ہے یہ ظاہر ہے' توہمات ہیں۔ ظاہر جو ہے وہ توہم ہے' ظاہر جو ہے موجود ہے اور غیب کیا ہے؟ توہم سے آگے' یقین کی منزل' الہام کی منزل' تیقن کی منزل اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی کی منزل' وہ جب چاہے پردہ اُٹھا دے۔ یہ پردہ کیا ہوتا ہے؟ سب انسانوں کو پتہ ہے کہ ہم نے جانا ہے' جانے اور آنے میں پردہ ہے۔ جانے سے پہلے کوئی نہیں جاتا اور جب نہیں جاتے تو اس وقت خیال ہوتا ہے کہ جاسکتے ہیں۔ اور جانے کے بعد یہاں رہنے کے بارے میں ہم کیا سوچیں گے' یہ ابھی پردہ ہے۔ یہاں پر مانتے ہیں کہ کسی وقت بھی جانا پڑ سکتا ہے' وہاں پر کیا سوچیں گے کہ ہم کہاں سے آئے ہیں' کیا انسان کچھ یادیں دے کے جاتا ہے یا کوئی علم دے کے جاتا ہے۔ یہ پردہ ہے۔ ابھی یہ غیب ہے۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو بتا دیتے ہیں کہ یہ جگہ ہمارا مزار شریف ہے' یہ ہمارا دن ہوگا' یہاں پر ہمارا عرس ہوگا' ہم نے یہاں اس ٹائم پر جانا ہے ___ ایسا ہوتا ہے' لوگ یہ بتاتے رہتے ہیں' کہ اتنے بجے پر ہم نے رخصت ہونا ہے اور آپ لوگوں نے فلاں جگہ پر پہنچ جانا ہے' وہاں ملاقات ہوگی' پھر ہم وہاں سے چلے جائیں گے ___ لوگ یہ بتاتے رہتے ہیں۔ ان پر وہ آشکار ہو گیا۔ یہ جو غیب ہے یہ حاضر بنتا رہتا ہے اور غافل آدمی کے لیے حاضر جو ہے وہ غیب بنتا رہتا ہے۔ اس کی Daily life میں مثال یہ ہے کہ نیند سے پہلے کا حاضر نیند میں غیب ہو جاتا ہے اور نیند کے اندر خواب کا حاضر جاگنے پر غیب ہو جاتا ہے۔ سونے سے پہلے جتنا حاضر ہے یہ سونے سے غیب ہو جاتا ہے۔ جب آپ سو گئے تو اگر آپ کو بلا رہے ہوں تو نیند میں پتہ نہیں ہوتا کہ

کیا کہہ رہے ہیں' آواز ہی نہیں سنتے۔ پہلے وہ Whisper سن لیتا ہے پھر Loud آواز بھی نہیں سنتا۔ پہلے اشارہ سمجھ لیتا ہے' آنکھ سے بلاؤ تو آجاتا ہے اور شور بھی مچادو تو نہیں سنتا' اُسے پتہ ہی نہیں ہوتا کیونکہ وہ سو گیا ہوتا ہے۔ اب یہ جو دن کی روشنیوں والا حاضر ہے یہ رات کے اندھیرے میں غیب ہو جاتا ہے' جو نمودار تھا وہ غیب ہو گیا۔ وہ حاضر سورج کے دم سے تھا اور اُسے آنکھ دیکھ رہی تھی' بینائی دیکھ رہی تھی اور جب سورج چلا گیا تو بینائی بھی خاموش ہو گئی۔ وہی منظر جو نظر آرہا تھا وہ غیب ہو گیا کیونکہ سورج چلا گیا۔ پھر نیند کے اندر اور بھی غیب ہو گیا' خواب میں جو نظر آرہا ہے جاگنے پر وہ بھی غیب ہو گیا۔ کہتا ہے رات کو اچانک خیال آ گیا' خوب صورت خواب تھا' دھندلا سا یاد ہے' ٹھہر جاؤ ذرا یاد کر لوں۔ کہاں یاد آتا ہے۔ اگر یاد بھی آجائے تو کیا ہوتا ہے۔ تو غیب' حاضر اور حاضر' غیب ہوتا رہتا ہے' زندگی اور موت ہوتی رہتی ہے' بس' بے بس ہوتا رہتا ہے' اطلاع اور عدمِ اطلاع ہوتی رہتی ہے' کبھی جواب آتا رہتا ہے' کبھی جواب نہیں آتا ہے'

ے افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر

آخر جواب آجاتا ہے' کہ دعا وہاں گئی اور وہاں سے تاثیر لائی۔ دعا سے پہلے وہ غیب تھا اور تاثیر مل گئی تو حاضر ہو گیا۔ بات کبھی آپ کے پردۂ خیال میں ہوتی ہے اور کبھی وہ پردۂ ظہور میں آجاتی ہے۔ دعا سے پہلے ہم یہ خواہش کرتے جا رہے تھے اور اچانک وہ واقعہ ہو ہی گیا۔ یہ ہے غیب اور حاضر۔ اس لیے اس کے

اندر دِقّت کی کوئی بات نہیں ہے۔ غیب کو نہ جاننا ہمارے لیے مقدر ہے اور غیب کو جاننا ہمارے اوپر احسان ہے اور اللہ یہ کرتا رہتا ہے' Exception ہوتی رہتی ہے' جاننے والے آگاہ کر دیے جاتے ہیں بلکہ اس راز میں ان کو راز سے ہم راز کر دیا جاتا ہے۔ راز کیا ہے؟ بے شمار راز ہیں' کہ کیا ہونے والا ہے' کیا ہوتا رہا ہے' میرے آنے سے پہلے کیا ہوا' میرے جانے کے بعد کیا ہوگا بلکہ میرے دور میں کیا ہوگا۔ اخبار میں جو خبر آتی ہے آپ سمجھتے ہیں کہ ابھی واقعہ ہوا ہے حالانکہ وہ رات کا واقعہ ہوتا ہے' ایک دن پہلے کا واقعہ ہوتا ہے۔ غیب اگر اطلاع بن جائے تو حاضر سمجھا جاتا ہے حالانکہ وہ غیب ہوتا ہے اور اگر حاضر آپ کی اطلاع سے غیب ہو جائے تو وہ غیب ہی کہلائے گا۔ یہ سب غیاب وظہور کے جلوے ہیں اور یہ بڑی رونقیں ہیں۔ اس لیے اس کو اللہ کے فضل کے ذریعے جاننا چاہیے ورنہ تو آپ سمجھ نہیں پائیں گے۔ کچھ لوگ جو جانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا' میں نہیں مانتا۔ جو یہ کہہ رہا ہے کہ میں نہیں جانتا وہی تو جانتا ہے۔

ے اور جب جانا تو یہ جانا کہ کچھ بھی نہ جانا ہم نے

جب جان گئے تو کیا معلوم ہوا؟ کہ ہم جان نہیں سکتے۔ غیب کے بارے میں کوئی بحث نہیں کرنی ہے۔ یہ کچھ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ غیب کیا ہے اور غیب کیا نہیں ہے۔ ہر چیز حاضر ہوتی جا رہی ہے۔ جتنا آپ کا حاضر ہے سچ پوچھو تو اتنی ہی آپ کی زندگی ہے اور باقی سب خیال ہے۔ باقی کا سب خیال ہے' احساس ہے' امید ہے' یقین ہے' دعا ہے' Intuition ہے' اللہ کی مہربانی ہے' اور جو کچھ آپ

دیکھ رہے ہیں یہ آپ کی زندگی ہے، آپ کی اتنی زندگی ہے جتنا آپ اس میں Travel کرر ہے ہیں، یہ دریا جتنا پھیل رہا ہے وہی اس کا Base ہے۔ جہاں دریا نہیں پھیل سکتا، وہاں پھیل سکنے کا امکان بہت تھا لیکن نہیں پھیلا۔ اب جہاں وہ پھیلا نہیں وہ دریا کا علاقہ ہے۔ آپ بہت کچھ کر سکتے تھے لیکن آپ نے یہی کچھ کیا ہے جو آپ نے کیا۔ اردگرد کی دنیا میں آپ جو کر سکتے تھے وہ نہیں کیا، وہ غیب کی غیب رہی حالانکہ وہ آپ کی حاضر ہو سکتی تھی۔ اس لیے اس حاضر کے اندر ہی بات غیب ہوتی جارہی ہے، غیب کے اندر سے ظہور ہوتا جارہا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی خاص مہربانی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو وہ آگاہِ راز کر دیتا ہے۔ دعا یہ مانگنی چاہیے اور بڑے کام کی دعا ہے کہ یا اللہ آگاہِ راز کر دے۔ ایک تو آپ کائنات کے راز سے آگاہ ہو جاؤ اور اس ساری تفصیل کے بعد یا اس سے پہلے آپ ایک چھوٹی سی چیز دریافت کر لو کہ میرے اندر کیا ہو رہا ہے، خیال کہاں سے پیدا ہو رہا ہے، پیدا ہی کیوں ہو رہا ہے، بینائی کیا گل کھلا رہی ہے، انسان اچانک غصے میں کیوں آجاتا ہے، انسان اچانک بے بس کیوں ہو جاتا ہے، یہ بتاؤ کہ آنسو کیا ہوتے ہیں، کہاں سے چلتے ہیں اور کدھر چلے جاتے ہیں یعنی کہ آنسو پیدا کیوں ہوتے ہیں اور ہر انسان جو آنسو بہاتا ہے اس کا کیا حال ہوتا ہے، وجہ کیا ہوتی ہے، کبھی غم کے آنسو اور کبھی خوشی کے، عجیب بات ہے، کبھی کوئی انسان اچھا کیوں لگ جاتا ہے، یہ جو اچھا لگنا ہے یہ کیا ہے۔ آپ چلتے جاتے ہیں، سارے لوگوں سے آپ کی ایک Indifference ہے، سارے لوگوں سے واجبی سا تعلق

ہے، اچانک ایک انسان نظر سے گزرا اور اس سے تعلق ہوگیا۔ یہ واجبی تعلق کے علاوہ کا تعلق ہے، خصوصی تعلق پیدا ہوگیا۔ آپ نے ایک انسان کو صرف دیکھا اور آپ کے پاؤں کی رفتار ڈگمگا گئی۔ یہ کیا قصہ ہوگیا؟ اب بتاؤ کہ یہ کیا ہے؟ آپ کے اندر یہ چھوٹا سا واقعہ ہو رہا ہے۔ اس چھوٹے سے واقعے میں اچانک خیال آیا اور آپ نے زندگی کا نظریہ بدل دیا۔ اچانک آپ نے چھوٹا سا مشاہدہ کیا اور سب کچھ بدل گیا۔ بڑے بڑے ظالم لوگ ایک چھوٹے سے واقعے سے رحم دل ہو گئے۔ کسی کا چھوٹا سا بچہ بیمار ہوگیا تو وہ بڑا رحم دل ہوگیا۔ کسی کا دوست پردیس چلا گیا تو اس کا مزاج ہی بدل گیا۔ بعض اوقات ساتھ رہنے والے مزاج بدل دیتے ہیں اور بعض اوقات ساتھ رہنے والے چلے جائیں تو مزاج بدل جاتا ہے۔ کبھی کبھی تیری یاد تجھ سے بھی زیادہ طاقت ور ہوتی ہے۔ یہ سب غیب کی کہانیاں ہیں جو ظاہر ہوتی جا رہی ہیں۔ سارا جلوہ جو ہے وہ آہستہ آہستہ بتدریج آپ کے ساتھ غیاب سے ظہور میں آ رہا ہے۔ آپ کی لائف میں ظہور میں آ رہا ہے۔ یہ سارا کہاں سے آ رہا ہے؟ غیاب سے آ رہا ہے۔ اس سے آپ Calculate کر سکتے ہو کہ آگے کیا آنے والا ہے۔ اگر نصیب ہو تو Calculation مل جائے گی، اور Calculation نہ ملے تو Intuition مل جائے گی۔ اور اگر اچانک پتہ چل جائے تو یہ بھی ہوسکتا ہے۔ اسی کا نام ہے باطن، اسی کا نام ہے مشاہدۂ باطنی، اسی کا نام ہے عطائے الٰہی، اسی کا نام ہے Intuition کا، الہام کا اور وحی کا استحقاق۔ ممکن ہے ''رف رف'' کوئی کھٹکھٹانے والی شے آئے، جبریل امین

آئیں اور ممکن ہے کہ یہ خیال کا نام ہو۔ یہ آج کل لوگ کہتے ہیں۔ بہر حال جس چیز کا یہ نام ہے وہ جبریل ہی ہے۔ جبریل کا آنا' چاہے وہ Concrete Form میں آئے یا Abstract Form میں آئے' بہر حال جبریل ایک خیال لانے والی چیز ہے' ذات ہے' علیہ السلام بھی ہے' وہ آ کے آپ کو خیال اور علم عطا فرماتے ہیں کہ یہ من جانب ربِ عظیم ہے' کہ یہ بات یوں ہے۔ جاننے والے اور بیان کرنے والے سن کے بیان کر رہے ہیں اور یہ بیان کی عظمت ہے۔ بیان کیا کر رہے ہیں؟ نـزل مـن غفور الرحیم ۔ یہ اللہ کا کلام ہے' اللہ کی طرف سے آپ کو دعوت ہو رہی ہے' اللہ کی طرف سے بیان ہو رہا ہے' فرمانے والے نے یہ نہیں کہا کہ یہ میں بیان کر رہا ہوں۔ گویا کہ کہیں سے کوئی چیز علم کی شکل میں آ رہی ہے۔ خیال Ascending Order میں موجود ہے اور یہ Decending Order میں موجود ہے۔ جس طرح آسمان پر ٹڈی دل آ جاتا ہے' بادل چھا جاتے ہیں' اسی طرح خیال کے پرندے بھی آپ کے سروں کو تلاش کرتے رہتے ہیں' ڈھونڈتے رہتے ہیں کہ کہیں پر کوئی مناسب سر مل جائے' ایسا سر جو سرفراز ہونے والا ہو اور وہ تھوڑا سا سرنگوں رہے' فخر میں نہ آئے۔ جب اس پر خیال کا پرندہ بیٹھ گیا تو وہ اچانک ہی بدل جائے گا۔ یہ علوم کے پرندے' مشاہدات کے پرندے آسمان سے آتے ہیں اور نازل ہوتے ہیں۔ تنزل الملئکته والروح فیها باذن ربهم فرشتے اور ارواح نازل ہوتے ہیں رب کے حکم سے۔ اب یہ فرشتوں کا نازل ہونا کیا ہوا؟ فرشتے کیا کرتے ہیں؟ یہ آپ کا خیال بدلیں گے'

آپ کا احساس بدلیں گے' آپ کے حجابات اٹھائیں گے اور آپ کے اندر کی سیاہی کو اُجالے میں بدلیں گے۔ روح کا نازل ہونے کا مطلب کیا ہے؟ عین ممکن ہے کہ کسی کمزور روح کے اوپر کوئی حاوی روح نازل ہو جائے اور اس کا کمزور خیال جو ہے وہ حاوی ہو جائے' طاقت ور ہو جائے۔ یہ میں آپ کو اطلاع کے طور پر بتا رہا ہوں کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ کے اندر آپ کی زبان سے بیان ہونے والا علم ایسا ہوتا ہے کہ آپ یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ یہ آپ کا علم نہیں ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ یہ بات کدھر سے آ گئی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی اور روح کا کرشمہ ہو۔ اسی کو فیض کہتے ہیں۔ آپ کسی خانقاہ پہ جاتے ہیں تو کیا وہاں سے کوئی چیز اُٹھاتے ہیں بلکہ وہاں پہ آپ کا خیال بدل سکتا ہے۔ وہ ایک ایسا پراسیس ہے تنزیل العزیز الرحیم یہ وہاں سے آنے والی چیز ہے' وہ وہاں سے آپ کا Link ملا دے تو آپ کا خیال روشن ہو جائے گا۔ جہاں سے خیال عطا کیا جاتا ہے اگر خیال کا Link وہاں مل جائے تو وہاں غیب کو جھانکنے کا موقع مل جاتا ہے۔ غیب بہر حال غیب ہے' بیان کرنے سے پہلے غیب ہے اور اگر بیان ہو جائے تو یہ ظہور ہو گیا۔ جب غیب بیان ہو جائے تو کیا ہوتا ہے؟ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ تسلیم کر لیا جائے تو یہ مشاہدہ ہے۔ گویا کہ کسی بات کو تجربے اور مشاہدے کے بغیر اگر تسلیم کر لیا جائے تو بھی وہ مشاہدہ کہلائے گا۔ جتنی قوی تسلیم ہو گی اتنا ہی آپ کا علم جو ہے مشاہدہ بنتا جائے گا۔ تسلیم کے قوی ہونے کا نام ہے مشاہدہ۔ کہتا ہے کہ انہوں نے فرمایا اور میں نے یہ دیکھا کہ میں جان

گیا۔ کہتا ہے کہ تُو نے دیکھا نہیں ہے' دیکھا تو انہوں نے ہے' تُو کیسے مان گیا؟ کہتا ہے کہ مستند انسان کی بات ہی سند ہوتی ہے۔ سند کسے کہتے ہیں؟ مستند کا فرمایا ہوا۔ مستند کا فرمایا ہوا آپ کے لیے سند ہوگا۔ یہ پکی بات ہے۔ اب یہ آپ کے لیے غور کرنے کے مقامات ہیں اور آپ غور کیا کرو کہ غیب ہوتا کیا ہے' غیب کب تک ہوتا ہے' غیب سے پہلے دائرہ معلوم کتنا ہوتا ہے' جوں جوں دائرہ معلوم پھیلتا جائے گا آپ غیب کے اندر داخل ہوں گے' آپ کی نگاہ غیب میں داخل ہوتی ہے اور اس کا فضل آپ کو غیب کی سیر کرا سکتا ہے —— آپ کو وہ شعر سنا دیا جائے کہ

؎ اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہیں
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

جب شہود' شاہد اور مشہود ایک ہیں تو پھر مشاہدہ کیا ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ

؎ جب دید کی تلاش ہے آنکھوں کو بند کر

وہ کہتے ہیں کہ جب سے ہم نے دیکھنا شروع کیا ہم نے آنکھ بند ہی کر لی۔ اب آنکھ بند کرنے کے بعد دیکھتا کیسے ہے؟ یہ ہے اصلی مشاہدہ۔ ایسا واقعہ ہو سکتا ہے ——

اختر صاحب بولیں —— پوچھیں ——

سوال:-

کیا غور کرنے اور تحقیق کرنے میں کوئی فرق ہوتا ہے؟

جواب:-

غور کرو اور ضرور کرو، تحقیق کرو اور ضرور کرو، لیکن جو تسلیم کے دائرہ کار ہیں ان کو نہ چھیڑنا۔ پھر جتنی مرضی تحقیق کرتے جاؤ۔ بے شک آپ اللہ کے رُوبرُو ہو جاؤ اور ڈوبڈ وہو جاؤ لیکن اس کو چھوڑ نا نہیں۔ ماننے کا عمل اور ماننے پر اگر ایمان جاری رہے تو جتنی مرضی تحقیق کرو۔ عام انسان جب تحقیق کرتا ہے تو گمراہ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ پہلے یہ تحقیق کرو کہ اللہ ہے کہ نہیں ہے۔ اللہ کا کوئی ثبوت نہیں ملے گا سوائے اس کے کہ مستند انسان کا فرمایا ہوا سند ہے۔ اس لیے صاحبانِ عقل جو ہیں ان کو تحقیق کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ تسلیم کے مخالف نہ ہوں۔ تسلیم کے اندر رہ کے جو مرضی تحقیق کرو۔ ابا جی کے ساتھ اتنی بحث نہ کرنا کہ وہ ابا ہی ثابت نہ ہو۔ اس لیے بحث کرنے کی اجازت ہے، تحقیق کرنے کی اجازت ہے، غور کرنے کی اجازت ہے بلکہ دعوت ہے۔ یہ دعوت ہے بلکہ یہ ہماری خواہش ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ غور کرو۔ لیکن کس کو فرماتا ہے؟ مسلمانوں کو۔ جو بار بار یہ تحقیق کرتا ہے کہ پتہ نہیں اسلام ہے کہ نہیں ہے، تو یہاں سے بات بگڑ جاتی ہے۔ لہٰذا مسلمان، اسلام میں رہ کے تحقیق کرے۔ ہمارے ہاں جو Intellect ہے، جو ذہین لوگ ہیں وہ یہ کرتے ہیں کہ تحقیق کرتے کرتے کہتے ہیں کہ وہ ہے ہی نہیں۔ اس سے بچنا ہے، ایسی تحقیق نہ کر لینا کہ آپ کا یہ مذہب ہی نہ رہے۔ اس لیے میں نے کہا تھا کہ سادہ سے بچے کی طرح مذہب کو مان لو، مذہب کو جب مان لیا جائے تو پھر آگے جو مرضی تحقیق کرو۔ تحقیق کرنے

کے لیے یہ باتیں یاد رکھنا، نمبر ایک پہلی تحقیق یہ کرو کہ میں کہاں سے آیا، نمبر دو یہ کہ میں نے کہاں جانا ہے، نمبر تین یہ کہ کس نے مجھے اس سفر پر روانہ کیا ہے، نمبر چار یہ کہ اس اجنبی دنیا میں میرا کردار کیا ہے، دنیا نے مجھے کیا دیا اور میں دنیا کو کیا دینے والا ہوں۔ اس پہ غور کرنا ہے۔ پھر آپ نے یہ غور کرنا ہے کہ میرے ظہور کا میرے بطون کے ساتھ کیا تعلق ہے، کیا میرا ظاہر میرے باطن کی خواہش کے مطابق چل رہا ہے، میرے باطن کی Wish کیا ہے اور ظاہر کا عمل کیا ہے؟ اس پہ آپ نے تحقیق کرنی ہے۔ کہ ظاہراً میں یہ کام کر رہا ہوں اور باطناً میں کچھ اور چاہ رہا ہوں، ظاہراً میں فرعون کی زندگی چاہ رہا ہوں اور باطناً میں موسیٰ علیہ السلام کے حق میں جا رہا ہوں، اس لیے میرا ظاہر کیا ہے اور میرا باطن کیا ہے؟ یہ تحقیق والی باتیں ہیں۔ یہ تحقیق کرو کہ خیال میرے اندر کہاں سے راجعون ہو جاتا ہے، خیال کدھر سے آ گیا، کس نے مجھے یہ خیال عطا کیا کہ میں ایک Optimist ہوں، کیوں؟ جب کہ Pessimists سے دنیا بھری ہوئی ہے۔ اور یہ کہ میں Pessimist ہوں جب کہ Optimist لوگ بھی ملیں گے، میں ایسا کیوں ہوں اور میرا وہ بھائی ویسا کیوں ہے؟ یہ تحقیق والی باتیں ہیں۔ اور یہ جو میں دنیا کا علم حاصل کر رہا ہوں اس علم سے میرے عمل میں کیا فرق آتا ہے اور میرے عمل سے دوسروں کے علم میں کیا فرق آئے گا؟ یہ تحقیق والی باتیں ہیں۔ دنیا کی تمام لائبریریاں جو میرے علم میں اضافہ کرنے والی ہیں کیا وہ میرے عمل میں بھی کوئی اصلاح کرتی ہیں؟ یہ تحقیق کی بات ہے۔ میرا ہونا کس بات کا مرہون ہے؟ کون

ہے جو مجھے پسند کیے جاتا ہے اور کون ہے جس کو میں ناپسند کرتا ہوں؟ یہ کیوں ہے؟ ایسا کیوں ہوا؟ یہ ساری تحقیق والی باتیں ہیں۔ اگر دور کی تحقیق کرو گے کہ چاند کے ساتھ کتنے سیارے ہیں اور سیاروں کے ساتھ کتنے چاند ہیں تو وہ ایک اچھی بات ہے لیکن اس کا حساب Millions کے ساتھ ہے' وہ Millenium کا حساب ہے' وہ Light Years کا حساب ہے اور آپ Light Years تو کیا آپ ایک Spark بھی نہیں۔ اس لیے تحقیق میں یہ یاد رکھنا کہ ساٹھ سال' Sixty Years کے Span میں آپ نے وہ کام کرنا ہے جو تقریباً مکمل ہو جائے یا مکمل نہ سہی تو مکمل نما ہو جائے۔ تو اُسے اس عمر میں طے کر لینا۔ یہ نہ ہو کہ آپ Immensity کے اوپر تحقیق کرنے لگ جاؤ۔ ورلڈ کا اس کے بارے میں جو Concept ہے وہ اور ہے اور عین ممکن ہے کہ آنے والے زمانے میں اس نظریے کا کچھ اور ہو جائے' وہ زمانہ کچھ اور ہو جائے۔ اپنی زندگی کی حدود کا بھی خیال رکھنا کہ آپ نے جو کچھ کرنا ہے وہ موجود زمانے میں کرنا ہے۔ تحقیق کر لو' تسلیم کر لو' خوش ہو جاؤ' یا غم کر لو' جو مرضی کرو لیکن اس Span کو یاد رکھنا' اس کے اندر ہی کرنا ہے۔ آپ کے ٹائم کی ایک Allocation ہے' اس کے علاوہ آپ کو ٹائم نہیں ملے گا۔ زندگی ایک بار ملی ہے' ایک بار آپ نے آنا ہے' دوبارہ موقع نہیں ملے گا۔ اس لیے اس کو بیکار خیال میں رائیگاں نہ کر دینا۔ سب سے بدقسمت انسان وہ ہے جس کی زبان پہ ہو

مگر وہ لمحے جو دانستہ رائیگاں گزرے

لمحات کو دانستہ رائیگاں نہ کرنا۔ لمحات کا نام زندگی ہے۔ بس لمحات ضائع نہ کرنا۔ تحقیق ضرور کرو بلکہ آج سے تحقیق کرو۔ اپنے اندر کی گردشوں کو دیکھو، باہر کی گردشوں کو دیکھو، کبھی باہر کا موسم آپ پر اثر کرتا ہے اور کبھی آپ کا اندر کا موسم باہر پر اثر کرتا ہے۔ یہ سارے واقعات کیا ہیں؟ یہ تحقیق ضرور کرو۔

سوال:-

سر! یاد اور یادداشت کا کیا مقام ہے؟

جواب:-

یاد اور یادداشت دونوں میں مَیں نے فرق بتایا تھا اور آپ نے انہیں یہاں پر اکٹھا کر دیا ہے۔ یاد کسی انسان کی ہوتی ہے اور یادداشت تو علوم کا نام ہوتا ہے۔ یاد ہوتی ہے گزرے ہوئے انسان کی عدم موجودگی میں اس کے ہونے کے زمانے کو یاد کرنا۔ اس کو یاد کہتے ہیں۔ یاد کا معنٰی یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ وہ انسان یہاں موجود ہو اور وہ انسان اس وقت یہاں موجود نہیں ہوتا۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ یاد ___ یعنی کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کی موجودگی کی خواہش۔ یاد کیا ہے؟ کسی کی عدم موجودگی میں اس کی موجودگی کی تمنا کا نام یاد ہے۔ یہ پکی Definition ہے کہ عدم موجود کے موجود ہونے کی تمنا۔ جس طرح چاند ہے تو چاندنی کو یاد کہہ سکتے ہیں۔ ہے وہ چاند ہی کے دم سے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ چاند پر چاندنی نہیں ہوتی۔ جس کی یاد ہو اس کی موجودگی میں یاد نہیں ہوتی۔ وہ انسان جس کی موجودگی میں یاد نہ ہو اور جس کی عدم موجودگی میں اس

کے موجود ہونے کی تمنا ہو اس کو ہم یاد کہتے ہیں۔ یاد بعض اوقات اپنے Object سے زیادہ قوی ہوتی ہے یعنی وہ انسان اپنے جانے کے بعد زیادہ طاقت ور ثابت ہوگیا۔ جب وہ انسان ہمارے ساتھ تھا تو معمولی سا لگتا تھا لیکن جانے کے بعد تو بڑا طاقت ور ثابت ہوا اور اس نے بڑے گل کھلائے' اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہی محسوس ہوتا رہتا ہے۔ اس کو یاد کہتے ہیں۔ یاد کیا ہے؟

مجھ کو کسی کی انجمنِ ناز کی قسم
محسوس کر رہا ہوں کہ اب تک وہیں ہوں میں

یعنی کہ ایسی یاد ہے اب تک لگ رہا ہے کہ وہ آ رہے ہیں' وہ جا رہے ہیں' وہ پھر رہے ہیں۔ اس کو یاد کہتے ہیں۔ اس کو گئے ہوئے مدت ہوگئی لیکن آپ کہو گے کہ وہ چل رہے ہیں' وہ پھر رہے ہیں' وہ آ رہے ہیں' وہ جا رہے ہیں۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ یاد ___ یعنی ہونے کے زمانے کو نہ ہونے کے زمانے میں ملانا۔ اس کو یاد کہتے ہیں۔

سوال:-

سر! کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ انسان اپنے عدم موجودگی کے زمانے کو موجودہ زمانے میں یاد کرے اور آنے والے زمانے کو موجودہ زمانے میں یاد کرے؟

جواب:-

اگر اچانک بیٹھے بیٹھے یہ خیال آجائے کہ میں ایک اور زندگی گزار آیا ہو

تو اچانک اُسے شناخت مل جاتی ہے کہ یہ واقعہ میرے ساتھ پہلے ہو چکا ہے یا میرے ساتھ ہونے والا ہے۔ کچھ لوگوں کے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے اور کچھ لوگوں کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ بہر حال یاد کا عام فہم مطلب یہی ہے جو آپ کو بتایا ہے۔ اور جو آپ کہہ رہے ہیں اُسے Intuition کہیں گے یا کسی اور شناخت میں کہیں گے یا گزرے ہوئے زمانے کی یاد کہیں گے۔ وہ اور حساب ہے۔ اور یاد جو ہے وہ انسان کے ساتھ ہے۔ وہ جو آپ بات کر رہے ہیں وہ Recollection کی بات ہے' ایسے ہی Recollections آ گئیں' کسی زمانے کا خیال آ گیا' کہ میں تھا' صدیوں پر محیط تھا۔ ایسا ہو سکتا ہے ____

بس یاد یہی ہے کہ جانے والے کی تمنا کہ وہ موجود ہو۔ یہ بڑی آسان آسان باتیں ہیں' غور کرنے والی باتیں ہیں۔

اور کوئی سوال ____ بولیں ____

سوال:-

انسان کی زندگی اس کے جسم اور روح کا اشتراک ہے' جسم کی زندگی تو محدود سی مدت کے لیے ہوتی ہے لیکن روح تو صدیوں سے موجود ہے اور موجود رہے گی' تو کیا روح کا جو تجربہ ہے وہ اس زندگی میں بھی ہو سکتا ہے۔

جواب:-

اب سوال یہ ہے کہ کیا جسم میں آنے سے پہلے روح کو کوئی تجربے ہو چکے ہیں؟

سوال:-

جی ہاں!

جواب:-

کیا یہ روح کا Once for all تجربہ ہے؟ کہ My Soul جو ہے وہ My Body میں Once for all کے لیے کیا یہ تجربہ کافی ہے؟ کیا اس Soul کو اس سے پہلے کچھ تجربات ہوئے ہیں' کوئی Development کی یا Evolution کی کوئی فارم آرہی ہے یا اس کی آئندہ کسی اور جسم کے ساتھ تجربہ کرنے کے بعد تکمیلِ آرزو ہوگی؟ اس میں ہمارے بیان کے مطابق یہ ہے کہ یہ جو ایک جسم کا تجربہ ہے یہ تجربہ روح کی تعلیم کے لیے یا اس کے حاصل کے لیے یا اس کی آرزو کے لیے مکمل ہے اور اس کے لیے Sufficient ہے۔ روح ماضی کے تجربات سے گزر کے آئی ہے' حال کے اندر گزر رہی ہے اور مستقبل میں جا رہی ہے۔ اب آپ سوال کر سکتے ہیں کہ یہ Concept کیوں آیا؟ یہ سوال ذرا مشکل ہے' اس پہ ذرا غور کر لو۔ جو سوال آپ نے نہیں کیا میں اس کا بھی جواب دینے لگا ہوں' کہ آپ کے حال کا زمانہ یعنی یہ موجود زمانہ اور آپ کے حال کے زمانے کے لوگ' یہ موجود لوگ' ساری کائنات کے ماضی' حال' مستقبل کے تمام لوگوں کے برابر ہیں۔ سمجھ نہیں آئی؟ تمام واقعات جو ہو چکے ہیں وہ سارے واقعات اب ہو رہے ہیں۔ تمام انسان جو گزر چکے ہیں وہ سارے واقعات اب گزر رہے ہیں۔ تمام انسان جو آئیں گے روح کے لیے وہ سارے واقعات

موجود ہیں۔ ماضی میں کسی منزل کو طے کر آنے والی روح اپنی اسی زندگی میں کسی اور حوالے سے طے کر رہی ہے۔ آپ کا بچپن کا Cultured زمانہ ماضی کا زمانہ ہے۔ آپ کا مستقبل کا نفیس الطبعی کا زمانہ آئندہ کسی Sophisticated وجود کا مرہونِ منت ہے۔ جسم کی Evolution کے ذاتی طور پر جو واقعات آپ کے ساتھ چل رہے ہیں، یعنی ''میں'' اور میں جو دونوں چل رہے ہیں، یہ بذاتِ خود ماضی، حال اور مستقبل ہیں۔ یہ ایک طریقہ ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی میں مختلف وجودوں کی روح کے ساتھ رہتے ہیں اور عین ممکن ہے کہ یہ روحیں کسی پرانے وجودوں کے ساتھ Identical ہو جائیں۔ عین ممکن بھی ہے اور یہ ضروری بھی ہو سکتا ہے۔ ایک روح ایک وجود میں رہتی ہوئی ہزاروں روحوں اور ہزاروں وجودوں میں ایک ہی زمانے میں کام، عمل کر سکتی ہے۔ اس کے لیے نئے زمانے کی کوئی چیز درکار نہیں ہے۔ جن کو ہم ماضی کی گریٹ روحیں کہتے ہیں وہ ساری کی ساری ایک ہی زمانے میں لگاتار پھر رہی ہیں، وہ روحیں نہ آتی ہیں نہ جاتی ہیں بلکہ وہیں ٹھہری ہوئی ہیں۔ اور وہ وجود بھی شاید موجود ہوں، جن کے ساتھ ہم آشکار ہونا چاہتے ہیں، آشنا ہونا چاہتے ہیں وہ آشنا ہونے کے قابل روحیں اب بھی شاید اپنے وجود میں موجود ہوں۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں؟ شاید وہ اپنے وجود میں موجود ہوں اور آپ کا تجربہ مکمل ہو جائے۔ آپ اسے یوں سمجھیں کہ جیسے آپ کہتے ہیں کہ ماضی میں ہم فلاں روح سے رابطہ کرنا چاہتے تھے تو وہ آپ کا حال بھی ہو سکتا ہے اور ہم آئندہ کسی اور روح کے ساتھ

آشکار ہونا چاہتے ہیں تو وہ بھی حال میں آسکتی ہے۔ روح کے تجربات اپنی Evolution میں اور زمانے کی Immensity میں تقریباً اسی وجود میں مکمل ہوں گے اور وہ ہو جاتے ہیں۔

اب آپ بولیں ____

سوال:۔

ٹائم جو ہم پر بیت رہا ہے وہ Temporal انداز سے چل رہا ہے لیکن جو Infinity ہے، جو زمانہ دائم ہے وہ بھی تو موجود ہی ہے، یہ ٹائم اسی ٹائم کا حصہ ہے، تو اسی ٹائم میں رہتے ہوئے ہم زمانہ دائم سے کبھی کبھی ہم کنار ہو جاتے ہیں۔ اس وقت پھر آگے اور پیچھے کا سارا تجربہ جو ہے وہ ہم تک آ جاتا ہے۔ وہ جو ایک لمحہ ہے جسے لمعہ بھی کہتے ہیں، اگر تو وہ نصیب ہو پھر تو یہ آگے اور پیچھے کے زمانے کی کیفیت محسوس ہو سکتی ہے اور اگر نصیب نہ ہو تو ____

جواب:۔

اگر وہ نصیب نہ ہو تو پھر وہ آپ کا سوال ہی نہیں ہے۔ جس کا خیال ہو گا اس کو بات نصیب ہو سکتی ہے، باقی لوگوں کا نہ وہ پرابلم ہے اور نہ ان کی ضرورت ہے۔ جس کو یہ خیال ہے کہ کسی ایک Sane Moment میں ایک Temporal moment میں جسم جو ہے یہ Infinity میں کہیں داخل کر دیا جا سکتا ہے تو وہاں سارے زمانے ہو سکتے ہیں، سارے وجود ہو سکتے ہیں بلکہ سارے تجربات ہو سکتے ہیں، تو یہ اس شخص کا مسئلہ ہے جس کا کہ یہ مسئلہ ہے۔ اسی آدمی کے لیے یا ان

روحوں کے لیے ایک ہی زمانے میں سارا واقعہ ہو جاتا ہے کیونکہ وہاں ایک ہی زندگی ہے۔ اس لیے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ روح جو ہے ایک ہی روح ہے ساری ____

سوال:-

میرا تو علم سے سرسری واسطہ رہا لیکن صاحبانِ علم سے قربت کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے نصیب میں لکھا ہوا تھا۔ کئی دفعہ بڑے بڑے صاحبانِ علم اس لمعے کے موجود ہونے سے انکاری ہوتے ہیں کیونکہ ان کی اپنی زندگی میں یہ لمعہ نہیں آیا تھا۔ ان سے جب یہ باتیں کی جاتی ہیں تو انہیں یہ سب پاگل پن لگتا ہے۔ اور جن کو یہ تجربہ ہے وہ اس پر ایمان کی حد تک یقین رکھتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم لوگ تسلیم کی حد تک تو اسے مانتے ہیں لیکن جب تک یہ ہمارا تجربہ نہ بنے تو کیسے مانیں ____

جواب:-

اس تجربے کو نمائش کے طور پر عطا نہیں کیا جاتا۔ تسلیم اس لیے ضروری ہے کہ Infinity جو خالق ہے اس کی مرضی سے آپ کو یہ حاصل ہو۔ تسلیم ہے مالک کی اجازت' کہ اس کی ملکیت میں ہم داخلہ چاہتے ہیں۔ بس یہ اس کی تسلیم ہوتی ہے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ وہ نہ ماننے والوں کو بھی داخلہ دے دیتا ہے۔ یہ اس کے کام ہیں' اس کے جلوے ہیں۔ یہ لمعات ہوتے ہیں۔ لمعات کا مطلب ہے روشنی' جلوہ' تجلی ____ وہ تجلی جس کو عطا کردے یہ اس کی مرضی

ہے۔ وہ کافر کو بھی عطا کر دیتا ہے، یہ اس کے کام ہیں' اس کے کام نرالے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مومن کو محروم کر دے۔ یہ بھی اس کے کام ہیں۔ مقصد یہ کہ وہ جو جو کرسکتا ہے اُسے کرنے دو۔ آپ اس کے گھر میں' علم کے گھر میں' مشاہدے کے گھر میں' تجربات کے گھر میں' اس کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوسکتے اور اس کی اجازت سے پہلے آپ کے اندر تسلیم کا ہونا ضروری ہے۔ تسلیم قوی ہو ورنہ آپ کے لیے بڑے خطرے کی بات ہے۔ آپ اگر اس کے گھر کی یعنی روح کی سیر کرنا چاہتے ہیں تو یہ اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہوگا۔ یہ آپ کے لیے ہے۔ دوسروں کو وہ کرسکتا ہے۔ آپ کے لیے خطرہ یہ ہے کہ آپ دوسرے بننا چاہیں تو دوسرے نہیں بن سکتے بلکہ منافق بن جائیں گے۔ اب کہیں گے کہ ہم کہاں پھنس گئے۔

آئی جان شکنجے اندر

مومن جب کافر بننے کی کوشش کرے گا تو منافق بن جائے گا۔ ممکن ہے کہ کافر بخشا جائے' مومن تو بخشا ہی جائے گا لیکن منافق نہیں بخشا جائے گا۔

اب آپ کا مسئلہ حل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے آپ کی روح کو سیراب کر دے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے آپ کی جہالت کو علم سے نواز دے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے آپ کو دنیا کی سیر کرادے' دین کی سیر کرادے' اپنے آسمانوں کی سیر کرادے' اپنے علوم کے دسترخوانوں سے سیر کرادے ــــ جو اس کی مرضی ہو۔ اس کے کام نرالے ہیں' وہ جو چاہے کرے۔ آپ اپنی تسلیم قائم

رکھیں۔جلوہ یہیں پر ہے، ماضی بھی یہیں ہے۔اگر ماضی یہاں نہ ہوتو آج کا علم جو ہے وہ محروم ہو جائے، Disconnected ہو جائے۔ پھر ہر زمانہ نیا علم شروع کرے گا۔ پرانا علم تو ختم ہو جائے گا۔ پرانا علم جو ہے وہ آپ کے ساتھ چلا آ رہا ہے، خمیر اور ضمیر میں چلا آ رہا ہے۔ جو چیز خمیر اور ضمیر میں آ گئی وہ آپ کا علم ہے۔ ماضی کے زمانے مشکلات اُٹھاتے رہے ہیں اور اب آپ کو علم دے رہے ہیں، اس طرح آپ کا کام بنتا جا رہا ہے۔ پرانے لوگوں کی ریاضتیں کس کام آ رہی ہیں؟ یہیں کام آ رہی ہیں، وہ ریاضتیں مزار کی شکل میں آپ کے کام آ رہی ہیں۔ ریاضت کرنے والا ریاضت کر کر کے اپنا ایک مرقد بنا گیا۔ بابا صاحبؒ نے بڑے روزے رکھے، معکوس عبادت کرتے رہے، کنوئیں میں لٹک کے عبادت کرتے رہے، پھر ایک روضہ بن گیا، مقبرہ بن گیا، اب آپ کے لیے وہاں سے فیض کا چشمہ ہو سکتا ہے۔ یہ سارے کے سارے لوگ اس لیے محنتیں کرتے رہے تا کہ حال کے پیاسے وہاں سے سیراب ہوں۔ شرط یہ ہے کہ آپ حال کے پیاسے ہوں، آپ تو محقق بھی نہیں بنتے بلکہ آپ صرف معترض بن جاتے ہیں۔ محقق تو بہت تسلیم والا ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ بابا جی ہم آپ کے پاس آئے ہیں، آپ بتائیں تو سہی کہ آپ کون ہیں۔ محقق کی بڑی بات ہے، وہ ادب سے بات کرتا ہے اور جو کافر ہوتا ہے وہ گستاخی سے بات کرتا ہے کہ تُو ہے کون، یہ کیا فراڈ ہے۔ یہاں وہ گمراہ ہو جائے گا اور محروم ہو جائے گا اور اس پہ جہالت طاری ہو جائے گی۔ جہالت اندھیرے کو کہتے ہیں اور علم روشنی کو کہتے ہیں۔ عام طور پر عقل

جو ہے یہ اندھیرے کا راستہ ہے، جہالت کا راستہ ہے۔ آپ کا علم، عقل کے ذریعے آ رہا ہے۔ اس لیے ہم اس کو جہالت کہتے ہیں۔ جو علم دل کے ذریعے آ رہا ہے ہم اس کو نور کہتے ہیں۔

سوال:-

کیا ہر سوال کا جواب کوئی عالم آدمی دے سکتا ہے۔

جواب:-

لفظ ایک ہی ہے لیکن عالم، عالم کا بڑا فرق ہے۔ بہر حال جو علم، عقل کے ذریعے آ رہا ہے وہ حجاب ہو سکتا ہے اور جو دل کے ذریعے آ رہا ہے یہ حجاب نہیں ہوگا بلکہ یہ نور ہے۔ دل کے اندر واردات آ گئی تو الحمد للہ۔ اب یہ علم ہے، بڑا علم ہے۔ دعا یہ مانگا کرو کہ اللہ تعالیٰ وہ علم عطا فرمائے جو دل کے ذریعے آتا ہے۔ وہ عبادت جو دل کے ذریعے آتی ہے وہ اللہ کی رحمت ہے۔ اس لیے میں آپ کو یہ کہہ رہا ہوں کہ یہاں زندگی میں آپ کا Stay بہت کم ہے۔ اپنا وقت جھگڑے میں نہ گزارنا۔ اللہ تعالیٰ کو ثابت نہ کرنا۔ آپ ہی اللہ کا ثبوت ہیں۔ یہ آپ کے لیے کافی ہے۔ اللہ کا ثبوت کون ہے؟ آپ خود ہی ہیں۔ عبادت کے ذریعے آپ اللہ سے سوالات کرنے کی کوئی بات نہ کرو۔ عبادت جو ہے یہ آپ کی زندگی میں عطا ہے، یہ حضور پاک ﷺ کی ادا ہے۔ بس اس ادا کے مطابق آپ چل پڑو۔ تو عبادت کیا ہے؟ یہ آپ ؐ کی ادا ہے کہ وہ اس طرح اللہ کو یاد کیا کرتے تھے اور ہم بھی ویسے یاد کر رہے ہیں۔ اس لیے یہ تقلید ہے اُن کی جو تسلیم میں مقام محمود پر

پہنچے۔

سوال:

سر! یہ جو تقلید ہے وہ تمام Mental Complexities کی Simplicity تو نہیں۔

جواب:

یہ کوئی فارمولا نہیں ہے بلکہ یہ بنانے والے کا فیصلہ ہے کہ اسے یوں کرلو۔ جبریل امین علیہ السلام آ کے بتاتے تھے کہ عبادت یوں کرنی ہے اور اللہ پاک کو اس طرح سے پسند ہے۔ ویسے اس کا ایک فارمولا ہے۔ مثلاً آپ کا جو رکوع ہے وہ کچھ فرشتوں کے برابر ہے۔ سجود جو ہے وہ کچھ اور فرشتوں کے برابر ہے اور قیام جو ہے یہ بھی کچھ فرشتوں کے برابر ہے' انسان کو ان تینوں کا بتا دیا گیا اور اسے افضل کر دیا گیا۔ وہ جو فرشتے ہمیشہ سے اللہ کے دربار میں قائم تھے ان کو یہ کہا گیا کہ انسان بھی قائم ہے' یہ رکوع بھی کر رہا ہے' سجود بھی کر رہا ہے' تم تینوں سے بہتر ہے کیونکہ کاروبارِ دنیا بھی کر رہا ہے اور ہمیں یاد بھی کر رہا ہے۔ فرشتوں نے کہا تھا کہ انسان جو ہے یہ یسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک یہ فساد کرے گا' جھگڑا کرے گا' خون خرابہ کرے گا اور ہم تیری عبادت کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ انی اعلم مالا تعلمون میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح یہ فرق دکھاتا رہتا ہے۔ آپ لوگ اللہ تعالیٰ کا Confidence ہو فرشتوں کے سامنے ___ لیکن افسوس ہے

کہ آپ وہ نہیں ہو' آپ جھگڑے میں پھنسے ہوئے ہو۔ فرشتے کہتے تھے کہ یہ گمراہ ہے' یہ جھگڑا کرے گا' یہ اللہ کے ساتھ بھی جھگڑا کرے گا' دنیا میں خون بہائے گا' اللہ کے ساتھ جھگڑالو ہو جائے گا اور بحث کرے گا۔ اللہ نے کہا کہ یہ ماننے والا ہے' محبت کرنے والا ہے' تم دیکھو کہ کیا بنتا ہے۔ پیغمبروں کی حد تک تو بات مکمل ہوگئی' Followers میں اولیائے کرام آ گئے' وہاں بھی اللہ کی بات ٹھیک ہوگئی۔ لیکن ہمارے ہاں جو Intellect ہے یہ الجھن میں ہے۔ ذہین آدمی کا مومن ہونا بہت لازم ہے۔ ایمان کے فوائد اصل میں صرف ذہین کو مل سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں ذہین آدمی جو ہے وہ گستاخ ہو جاتا ہے۔ ٹریجڈی یہ ہے۔ یہ بھی ٹریجڈی ہے کہ سیاستدان خود غرض ہو جاتا ہے۔ ذہین آدمی اگر تسلیم میں آ جائے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔ ذہانت ہی تو اللہ کے قریب لے جاتی ہے۔

سوال:

اللہ تعالیٰ کی انسان پر اتنی نعمتیں ہیں۔ اگر کسی انسان کی تھوڑی سی Help کر دیں تو وہ انسان کا بہت ممنون ہوتا ہے مگر خدا کا ممنون نہیں ہوتا۔

جواب:

بندہ جو بندے کی Help کرتا ہے اگر وہ نہ کرتا تب بھی بندہ رہتا اور اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرے تو وہ اللہ نہیں ہے' وہ تو اللہ ہے ہی' اللہ تو احسان کرنے والا ہے' ہم اس کا احسان عام طور پر Taken for granted لیتے ہیں۔ احسان اس لیے کرتا ہے کیونکہ وہ ہمارا اللہ جو ہوا۔ ہم کہتے ہیں کہ یا اللہ یہ نیکی تو نے

ہمارے ساتھ کر دی' تو تو اللہ ہے' اب ہم پر مزید احسان کرنا۔ اس لیے ہم مزید دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ انسان شکر ہی شکر ہے۔ یہ گھبرانے والی بات نہیں ہے۔ سب سے بڑا شکر جو ہے وہ یہ ہے کہ تم کافر دنیا میں مسلمان بن کے رہو۔

سوال:

ذاتی حالات سے لے کر ملکی حالات میں جو تکلیف نظر آ رہی ہے ہم چاہتے ہیں کہ اُسے ٹھیک کر دیں لیکن کوئی صورت نظر نہیں آتی ____

جواب:

میں بتاتا ہوں کہ Easy ہونے اور Difficulty میں ہونے میں کیا فرق ہے۔ آپ یہ بات یاد رکھیں کہ یہ Temporal Life ابھی ابھی ختم ہونے کے قریب آ جائے تو آپ کو کون سے مقام پر Answerable کیا جائے گا۔ یہ آپ نے اپنے پاس سے نہیں کرنا بلکہ اللہ نے آپ کو Answerable کرنا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ میرے خیال کے مطابق Answerable ہے اور اس کے خیال میں وہ اور ہے۔ اس نے آپ کو واقعی Answerable کرنا ہے' اس نے آپ کو جواب دہ کرنا ہے۔ جس مقام پر آپ سے Answerability ہو رہی ہے' وہاں یہ پوچھا جائے گا' ان سوالات کے جواب ضرور مہیا کر کے جانا۔ یہ یاد رکھنے والی بات ہے کہ آپ کا تین قسم کا شغل ہوتا ہے۔ ایک تو آپ کا پیشہ ورانہ شغل' پیشہ ورانہ کھانا پینا رزق اور کھانا وغیرہ۔ یہ پیشہ ورانہ بات ہے۔ دوسرا آپ کا سماجی رشتہ ہوتا ہے جیسے کہ دنیا میں شہرت' مشہوری' پہچان' لوگ آپ کی عزت

کرتے ہیں، سلام کرتے ہیں'' آپ کا مرتبہ مقام یہ ہے۔ تیسرا آپ کا شعبہ ہے
خود آگہی۔ ان تین کے علاوہ اور کوئی شعبہ نہیں ہے ____ اب پہلا شعبہ کون سا
ہوا؟ رزق کمانا۔ دوسرا شعبہ سماج سے آپ کا رابطہ اور تیسرا شعبہ ہے اپنی ذات
سے رابطہ۔ میں آپ لوگوں سے جب خاص طور پر بات کرتا ہوں تو میں کبھی ایک
شخص سے بات کر رہا ہوتا ہوں اور کبھی دوسرے سے۔ آپ جو بات کر رہے ہیں
وہ نمبر دو شعبے کی بات کر رہے ہیں یعنی سماج میں آپ کا رابطہ اور Stability۔ اگر
آپ سماج کے بارے میں بات نہ کریں تو اس میں منافقت کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔
کچھ لوگوں کے مسائل نمبر ون میں ہیں یعنی کہ کھانے پینے کے مسائل بیان کیے
جائیں، رزق کہاں سے آئے گا' ضرورت کہاں سے پوری ہوگی' بچوں کا کیا
معاملہ ہوگا' ابا جان کا کیا بنے گا' علیٰ ہٰذالقیاس۔ کچھ لوگوں کی ضرورت یہ ہے کہ ہم
آگاہی کہاں سے لیں' ہم عبادت کیسے کریں' وظائف کیسے کریں' اللہ کو کس طرح
یاد کریں' Meditation کیا ہوتی ہے؟ اس لیے آپ اس بات پہ غور کریں کہ وہ
جو سماج کا شعبہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا Answerability
ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے سماج کے شعور سے نوازا ہے وہ اپنے فرائض پورے
کرے۔ وہ علم خدائی ہے' اس میں کامیابی یا ناکامی کی کوئی بات نہیں۔ جس کو اللہ
تعالیٰ نے عطا فرمایا کہ تو یہ بیان کر' وہ اللہ کی رضا کے لیے اور اللہ کی خوشنودی کے
لیے بیان کرتا جائے۔ اس میں حاصل' نا حاصل' مقام' نامقام' اور مرتبہ' نامرتبہ کی
کوئی بات نہیں۔ جتنا اللہ نے مجھے بتایا تھا وما علینا الا البلاغ ہم نے بیان کر

دیا۔ یہ تو ایک بات ہوگئی۔ پھر جو رزق ہے وہ کماتے چلے جاؤ۔ اور خود آگہی جو ہے یہ آپ کو ہونی چاہیے۔ یہاں آپ کا واقعہ ہے' یہاں آپ اپنے آپ سے آشنا ہو جاؤ کہ آپ کیا ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے پاس وہ علم ہی نہ ہو جس کے حصول کے لیے آپ کو کوشش کرنی چاہیے تھی اور اگر وہ علم نہ ہوا اور اس کے حوالے سے بیان کر دیا تو بیان کرنے والا خود بھی گمراہ ہو جائے گا اور لوگوں کو بھی گمراہ کر دے گا۔ اکثر لوگوں نے ایسے علم کے ذریعے گمراہ کیا۔ اکثر سیاستدانوں نے ملک کو تباہ کر دیا۔ یہ آپ خود بتائیں گے کہ جی وہ پچھلا سیاستدان تباہ کر گیا۔ اب اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ As a سیاست دان تم ملک کو Further تباہ نہیں کرو گے۔ اس کا جواب چاہیے۔ آپ غور کریں۔ مجیب الرحمٰن ایک سیاست دان تھا' اس نے برباد کیا۔ مجیب الرحمٰن کے ساتھ ایک اور سیاستدان تھا جس نے ''اُدھر تم' اِدھر ہم'' کہا' دونوں نے مل کے برباد کیا۔ اس کے بعد ایک اور دور آیا جس میں ملک کو Mortgage کرا دیا گیا۔ اب ایک اور دور آ گیا ہے۔ اس میں چپقلش ہے اور کشمکش ہے' پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے۔ آپ بالکل بجا کہہ رہے ہیں لیکن اب آپ چوتھے سیاستدان کے طور پر بات کر رہے ہیں' آپ خود کیا ہیں؟ اس پہ ذرا غور کرو۔ اپنے آپ کو آئینے کے سامنے روبرو کیا کرو بلکہ دُوبدو کیا کرو' آئینے میں شکل دیکھا کرو۔ پاکستان میں ایک دور آ گیا' پھر دوسرا دور آیا تو اور حالات آ گئے' پاکستان جو ہے وہ Military Jackboots کے ماتحت ہو گیا۔ پھر ایک اور زمانہ آیا جو چپقلش کا تھا' کشمکش کا تھا' جھگڑے کا تھا۔

پتہ نہیں کہ کیا ہوتا رہا ہے، کبھی پنجاب بڑا ہو جاتا ہے اور کبھی سینٹر بڑا ہو جاتا ہے، کبھی سینٹر میں کچھ ہوتا ہے، یہ پنڈولم کا Centre of Oscillation ہے، کبھی ٹک، کبھی ٹک، پتہ نہیں کیا ہوتا جا رہا ہے۔ آپ یہ سارے واقعات تو بیان کر رہے ہیں لیکن یہ چوتھا دور آپ اپنے آپ سے منسوب کر رہے ہیں، کبھی ایسا نہ ہو کہ اس دور میں آپ کے دم سے Fall ہو جائے، خدانخواستہ ___ اس لیے میں ابھی اس چوتھے دور کی داد ہی نہیں دیتا، ابھی آپ غور کر لیں، پہلے تین دور جو ہیں ان کا تجزیہ کر لو کہ پہلا دور کیسے تباہ ہوا، درمیان والے دور میں Military Jackboots کیسے آئے، اس کے بعد کشمکش کا دور کیوں آیا اور تم جو معالج ہوا ایسا نہ ہو کہ تم پرانے مسیحاؤں کی طرح مریض کو دم توڑنے پر مجبور کر دو۔ یہ مریض بیچارہ مسیحاؤں کا مارا ہوا ہے۔ اس لیے معالج صاحبان کے طور پر آپ لوگوں سے بڑی توقعات ہیں۔ یہ سب بڑے غور سے کرو۔ اگر اللہ نے آپ کو کہا ہے، شعور نے کہا ہے تو یہ کام کرو۔ اگر نہیں کہا تو نہ کرو۔

سوال:

سر! کیا سیاست شوق کا نام ہے یا خبط کا نام ہے؟

جواب:

یہ شوق ہوتا ہے۔ خبط بھی شوق ہی ہوتا ہے۔

سوال:

کیا یہ ذمہ داری کا نام ہے؟

جواب:

یہ ذمہ داری بھی ہوسکتی ہے، شعور بھی ہوسکتا ہے، یہ لازم بھی ہوسکتا ہے، ہر آدمی سیاست دان ہوتا ہے۔ سیاست وہاں سے شروع ہوتی ہے جب آپ گھر میں داخل ہوتے ہو اور السلام علیکم کہتے ہو، اور سارے کہتے ہیں وعلیکم السلام۔ محلے میں سے گزرتے ہو تو کہتے ہو السلام علیکم۔ وہ کہتے ہیں وعلیکم السلام۔ بندہ مر جائے تو سارے مل کے جنازہ پڑھتے ہیں۔ اس طرح سیاست شروع ہوگئی۔ مسجد میں باجماعت نماز پڑھتے ہو تو یہ سیاست شروع ہوگئی۔ عیدگاہ میں نماز پڑھتے ہو تو یہ سیاست شروع ہوگئی۔ حج کرتے ہو تو سیاست شروع ہوگئی۔ مارکیٹ میں ایک جگہ دکانیں بناتے ہو تو سیاست شروع ہوگئی۔ جہاں پر انسانوں کا رابطہ ضابطے کے مطابق ہوگا وہاں سیاست شروع ہو جائے گی۔ اس لیے رابطہ ضابطے کے ساتھ ہو، کسی مقصد کے لیے ہو اور جمیع قوم کے لیے ہو تو یہ سیاست ہے۔

سوال:

ہمارے ہاں رابطے کا فقدان ہے۔

جواب:

ہمارے ہاں رابطے کا فقدان ہوسکتا ہے۔ کچھ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ہاں فقدان نہیں ہے، ہم کوشش کر رہے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ ہم پیاسے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ٹیوب ویل لگا رہے ہیں، منصوبہ بن رہا ہے، انتظار کرو، حکومت بنا رہی ہے، بجٹ اب آنے والا ہے، اس کے بعد اور آسانی ہو جائے گی۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آسانی نہیں ہوگی۔ آپ کا کام تو ہو رہا ہے' یہ دونوں گروپ آپس میں باتیں کرتے جا رہے ہیں' تیسرا گروپ ابھی آرام سے بیٹھے' انہیں اپنا فیصلہ کرنے دو۔

سوال:

وہ سب ہمارے بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔

جواب:

کیا آپ بڑے مقبول لوگ ہیں کہ آپ کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں' آپ کی عاقبت اور عافیت کے لیے' آپ کی تنخواہوں کو مہنگائی سے بچانے کے لیے یا مہنگائی کی زد میں لانے کے لیے کر رہے ہیں۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ آپ لوگوں کو میں یہ بتا رہا ہوں کہ زندگی میں دن بھر کام کرو' کھانے کمانے کے لیے کام کرو' لوگوں سے ملنے کا کام کرو لیکن کم از کم کچھ لمحات اپنی ذات میں تنہا بیٹھنے کے لیے نکالا کرو۔ کچھ لمحات ضرور ہوں۔ پھر آپ کو اپنے لیے کچھ نہ کچھ خبر ملتی رہے گی۔ یہ خبر ضرور رکھنی چاہیے۔ یہ خبر اس حوالے سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خدا ہو کے ایک بندے کی محبت کو بیان کر دیا کہ میں اور میرے فرشتے محبت بھیجتے ہیں' پیغمبرؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اللہ ہو کے' ساری کائنات کا خالق ہو کے اس نے اپنی محبت کو ظاہر کرنے اور بیان کرنے میں لطف لے لیا۔ اس نے کہا کہ ہم اس ذات سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں سے کہہ دو جو مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہیں وہ پیغمبرؐ کی اطاعت کریں۔ اللہ ؓ سے محبت کا دعویٰ کوئی نہ کرے' اللہ تم سے

محبت کرے گا، تم کیا کرو؟ پیغمبرؐ کی اطاعت کرو۔ اب اس بات پہ غور کرو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو اللہ کے محبوب ﷺ کی اطاعت کرو تاکہ اللہ تم سے خود محبت کرے۔ آپ بات سمجھ رہے ہو؟ تم اللہ سے اس لیے محبت کرتے ہو تاکہ اللہ تم سے محبت کرے تو اللہ نے اس کا آسان راستہ بتا دیا کہ مجھ سے محبت کرنے کی بجائے میرے رسول ﷺ کی اطاعت کرو تو میں تم سے محبت کر لیا کروں گا۔ بات آسان ہو گئی، اللہ ہو کے اس نے اپنے محبوب ﷺ سے محبت بیان کی ہے، تو آپ انسان ہو کے اللہ کے محبوب ﷺ کے لیے کچھ دیر تنہا بیٹھ جاؤ تو آپ کا کام بن جائے گا۔ اللہ والا ایک کام تو یہی ہے، باقی تو وہ خالق ہے، اس کی مخلوق ہے، اس کی عبادتیں ہیں، بڑے کام ہیں۔ ایک کام یہاں اللہ والا ہے جو اللہ کے محبوب ﷺ سے محبت والا ہے، یہاں تم وہی کام کر رہے ہو جو اللہ کر رہا ہے۔ اتنا تو آپ کر لو کہ یا اللہ، ہم تیرے محبوب ﷺ پر درود بھیج رہے ہیں، تو بھی بھیجتا جا اور ہم بھی بھیجتے جا رہے ہیں۔ اس ذات پر ہمہ حال درود ہے، اللہ بھی، اللہ کے فرشتے بھی، ماضی والے بھی، حال والے بھی، مستقبل والے بھی، نہ ماننے والے بھی نعت کہتے ہیں۔ یہ اس ذات کی شان ہے۔ اس سے بڑی شان کیا ہو سکتی ہے کہ آسمان والا تمام فرشتوں کے ساتھ، زمین والے اپنی تمام رعنائیوں سمیت، ماضی حال اور مستقبل والے بھی، ہندو سکھ تمام نعت کہنے والے ہیں۔ اس ذات کی شان دیکھو۔ وہ ذات کسی علم کے دم سے نہیں ہے۔ اس ذات کا کوئی ایسا راز ہے جو آپ کے دلوں میں اُتر آتا ہے۔ یہ کوئی خاص بات ہے۔ اس پہ ضرور غور کیا کرو۔ آپ کو

غور کرنے والی چیزیں بتا رہا ہوں' ان سوالوں کا آپ خود ہی جواب دیا کرو۔ وہ کیا مقام ہے جب کسی انسان کو آپ پہلی بار دیکھتے ہی پسند کر لیتے ہو؟ پہلے سے کوئی تجربہ ہو یا علم ہو' کوئی واردات ہو' اس کے ساتھ کوئی سفر کیا ہو' پھر تو اور بات ہے۔ یہ تو صرف دیکھنے سے پسند کر لیا جاتا ہے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ جب میں اسے پہلی بار دیکھ رہا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ میں نے اسے دیکھا ہوا ہے۔ پہلی بار دیکھ کے یہ کیسے جانا کہ پہلی بار سے پہلے بھی دیکھا ہوا ہے۔ انسان کی زندگی میں یہ بڑا راز ہے کہ فرسٹ ٹائم دیکھو تو پتہ چلے کہ پہلے بھی دیکھا ہوا ہے۔ یہ ہے دوست کو قبول کر لیا تحقیق کے بغیر۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص بات ہے کہ آپ نے کس طرح قبول کر لیا' آپ نے کس طرح پہچان لیا' دوستی کس طرح ہو گئی ــــــ اس پہ غور کیا کرو۔ یہ آپ کا کام نہیں ہے' یہ اللہ کا کام ہے۔ ہمارا کام ہے تجربے کی رُو سے کسی کو اچھا کہنا' واردات کی رُو سے اچھا کہنا مگر کسی کو دیکھ کر قبول کر لینا ہمارے بس کی بات نہیں ہے' یہ کسی اور ذات کا عمل ہے' وہ ذات جو تمہیں دیکھنے والا بنا رہی ہے وہ ذات ہی دوسرے کے چہرے کو ویسا بنا رہی ہے' وہ ذات ہی تمہارے درمیان Affinity پیدا کر رہی ہے' یہ جو Affinity آ رہی ہے۔ اس بات پہ بھی غور کیا کرو کہ تمہاری زندگی تو ہے تھوڑی سی۔ تمہیں محبت کرنے والا بنایا اور اس ذات کو بنایا۔ دونوں کو اللہ نے بنایا۔ آپ کی محبت بھی آپ کے جانے سے پہلے مقرر ہو چکی ہے' زندگی میں اگر مل جائے تو محبت مل جاتی ہے' قبول کرنا مل جاتا ہے۔ اسی طرح اس ذات پاکؐ سے محبت جو ہے وہ اللہ

تعالیٰ کی مہربانی سے ہو جائے گی۔ اس ذات پاکؐ سے ساری کائنات محبت کرتی ہے۔ اب آپ دیکھو کہ دین کا راستہ آسان ہے' اللہ کے محبوب ﷺ سے محبت کرو تو دین مل جائے گا۔ جس طرح فرمان ہے کہ انا مدینة العلم و علی بابھا اُن سے محبت کرو تو راستہ مل جائے گا' آلِ محمدؐ سے محبت کرو تو راستہ مل جائے گا' ان کے راستے پر چلنے والے کسی سے محبت کرو تو راستہ مل جائے گا۔ اگر علم کا راستہ نہیں ملتا تو محبت کا راستہ لے لو۔ آپ کو اور آسان بات بتاتا ہوں۔ علم کا راستہ' عبادت کا راستہ' گہرائی کا راستہ' توجہ کا راستہ بڑا لمبا راستہ ہے اور محبت کا راستہ آسان راستہ ہے' وہ نگاہ کا راستہ ہے۔ یہ ہو سکتا ہے۔ ایسا ہو جاتا ہے۔ اب سوال پوچھنے والے کو میں ایک ذاتی بات بتاتا ہوں کہ جب تم صادق بنو' صداقت کرو یا سچ بولو اور تنقید بھی کرو اور چاہو کہ تمہیں قبول بھی کیا جائے تو یہ تمہاری زیادتی ہے۔ اس دور میں' سیاست کی دنیا میں' تم کسی پر تنقید کرو اور وہ تمہیں قبول کر لے تو یہ ناممکن ہے۔ بس یہ ناممکن ہے' کوئی شخص قبول نہیں کرے گا۔ ناقد کو یا نقاد کو کوئی رائٹر کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ اور آپ تنقید کرنے کے بعد محبوب کہلانا چاہتے ہو تو یہ آپ کے لیے بڑا ہی مشکل وقت ہے' بہت مشکل ہے۔ خوشامد والے لوگ تو قبول ہوتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ماشاء اللہ آپ بڑے ہی خوب صورت نظر آ رہے ہیں' آپ اسے یہ کہیں گے کہ ہاں ایسی ہی بات ہے' آپ کب ملیں گے؟ آپ تو دوسرے کو یہ کہتے ہیں کہ تو نے آ کے سارا پروگرام ہی رَد کر دیا' تیرے دم سے ہماری سیاست ہی اُکھڑ گئی ہے۔ تو وہ آپ سے کیا کہے گا؟

شاباش؟ آفرین؟ وہ کہے گا کہ میں تجھ سے مل لوں گا____ یہ ہے دِقت ۔اس لیے آپ غور کرو۔ یا تو چاہا جانا چھوڑ دو اور تقریر کرتے جاؤ۔ آپ چاہے جانے کا عمل بھی رکھتے ہو اور کسی طرف جاتے بھی نہیں ہو' یہاں یہ دِقّت ہو رہی ہے۔ کہیں جا کے ملنا ہے تو ملو۔ گروپ کی سیاست میں آ کے آپ کی انفرادی دانائی ختم ہو جائے گی۔ آپ میں انفرادی طور پر جو دانائی ہے اور روشنی ہے وہ گروپ کی سیاست میں دَب جائے گی۔ جب گروپ کا فیصلہ ہوتا ہے تو سارے کے سارے گروپ اور لوگوں کی سربراہی میں ہوتے ہیں' آپ کی سربراہی میں نہیں ہیں۔ پھر آپ کی ذہانت کسی گروپ کے ماتحت یا گروپ کے لیڈر کے ماتحت ہو جائے گی اور ماتحت آ جانے کے بعد یہ ذہانت کام نہیں کرے گی۔ اس لیے یہ پرابلم غور طلب ہے۔ میرا خیال ہے اب آپ کو سمجھ آ گئی ہوگی کہ آپ کا پرابلم کیا ہے۔ ہم یہ داد تو دیتے ہیں کہ آپ میں صداقت ہے۔ لیکن صداقت کے سرفراز ہونے کا ابھی ٹائم نہیں ہے۔ گروپ میں ملنے سے آپ کی یہ افادیت بھی ختم ہو جائے گی۔ یا تو ویسے ہی مل جاؤ ایک Follower کے طور پر۔ آپ کے لیے یہ بھی ایک راستہ ہے۔ آپ اُسے کہو کہ یہ جو آپ کا گروپ ہے' سیاسی گروپ ہے ہم اس میں مل جاتے ہیں' جو آپ کا حکم ہوگا ہم مانتے جائیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ مرتبے بھی مل جائیں گے اور شہرتیں بھی مل جائیں گی لیکن یہ As a camp follower ہوں گی۔ لیڈر ہونا اور راہنما ہونا جو ہے وہ کسی گروپ میں کیسے شامل ہوگا' وہ نیا گروپ Form کرے گا جو صادقین کا ہوگا۔ یا اس کا نام مخلصین رکھ لو۔

اور کوئی سوال ..... اب ہم لوگ جانے والے ہیں ..... بولو .....

ایک اور سوال:

یہ سوال پوچھنے والے کا راستہ بہت خوب صورت ہے لیکن بہت مشکل ہے۔ آپ اس کو آسان بنا دیں۔

جواب:

آسان بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ سوال کرنے والا ایک اعلان ضرور کرے یا ایک فیصلہ ضرور کرے کہ ان کا خیال صرف ان کا اپنا خیال ہے۔ ان کی زبان سے صرف اپنا خیال بیان ہونا چاہیے اور ان کا فیصلہ ان کا اپنا فیصلہ ہو۔ یہ کسی کو Obey نہ کریں، اللہ تعالیٰ سے رابطہ رکھیں، لَو لگا لیں۔ میں بار بار سمجھاتا چلا آ رہا ہوں کہ بڑے بڑے ذہین راہ نما وقت کے مسائل کی وجہ سے آگے پیچھے ہو گئے۔ اس لیے ٹائم کا انتظار کرنا چاہیے، یہ Feasibility بھی دیکھنی چاہیے۔ بات تو اُن کے پاس ہے اور یہ ٹھیک بیان کر رہے ہیں لیکن یہ دیکھیں کہ بات بیان کرنے کا کون سا صحیح وقت ہے۔ یہ نہ ہو کہ غلط ٹائم پہ صحیح بات کر دی جائے، اس سے نقصان ہوتا ہے۔ یہ ضرور غور کرنا چاہیے۔ یہ خیال بھی کرنا چاہیے کہ کتنے لوگ ساتھ دیتے ہیں، یہ دیکھنا چاہیے کہ وفادار کتنے ہیں اور یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ کتنے Magnitude کی مخالفت ہے۔ جس کو Dispose کرنا چاہتے ہیں وہ لیور لگا کے دیکھنا چاہیے کہ کتنا وزنی پتھر ہے۔ صرف اخبار کے بیان سے سیاست نہیں کرنی، عوام میں Roots ہونی چاہییں۔ ان کے ساتھ یہ ہو سکتا ہے، لوگ

چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ کچھ نہ کچھ اچھا واقعہ ہو۔ ان کا کام انشاءاللہ تعالیٰ دعا سے حل ہو جائے گا۔ پہلے مجھے ان سے پوچھ کے یہ بتا دو کہ اس وقت جو دو گروہ موجود ہیں کیا یہ دونوں میں سے کسی کے ساتھ ملتے ہیں' ایک گروہ مرکز میں ہے اور ایک پنجاب میں ہے۔ ہماری طرف سے یہ ہے کہ کوئی ایک ان کو قبول کر لے' پسند کر لے یا چاہ۔لے' پھر ان کو مرتبے میں بھی شامل کر لے۔ اب یہ کچھ عرصے کے لیے خاموش ہو جائیں۔ ان کے پاس جو دانائی ہے یہ ٹکراتی ہے اپنے سینئیر کے ساتھ۔ اللہ کے ساتھ تو انسان کو ویسے ہی احتیاط کرنی چاہیے۔ کچھ لوگ جو پیپلز پارٹی میں شامل ہو جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم پیپلز پارٹی کے اندر شامل ہیں' ہم کسی خاندان کے ماتحت نہیں ہیں۔ پیپلز پارٹی ایک قسم سے خاندان میں آ گئی ہے۔ اس بات پہ جو دانا لوگ پیپلز پارٹی میں واپس جانا چاہتے ہیں یا شامل ہو جاتے ہیں' وہ اپنا منشور یہ بنا رہے ہیں کہ ہم پیپلز پارٹی میں جا کے پیپلز پارٹی کو عوام کے حوالے کر دیں گے کیونکہ پیپلز پارٹی کو ایک خاندان نے Hijack کیا ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ Peopls party is not Bhutto, peopls party is not the family of Bhutto, it is not the wife of Bhutto, not the daughter of Bhutto but peopls party is common man's party تو وہ لوگ پیپلز پارٹی کو Common man کی پارٹی بنانا چاہتے ہیں۔ تو اس کا بھی ابھی ٹائم نہیں For your purpose۔ اس کا بھی فی الحال موقع نہیں ہے۔ پنجاب کی بات کرتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں

کہ یہ جو مسلم لیگ ہے یہ کسی اسلامی جماعت کے چنگل میں آ گئی ہے۔ اس وقت یہ دونوں ایک ہیں۔ For Your information ان دونوں کا دشمن ایک ہے اور وہ دشمن ان میں دوستی پیدا کر رہا ہے۔ یہ Common policy ہے' سیدھی سادی بات ہے کہ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔

سوال:

ایسی دوستی میں تو منافقت ہوتی ہے۔

جواب:

وہ دوستی تو ضرورت کی ہے۔ یہ سیاست ہے۔

سوال:

اس لیے میں اسے دوستی نہیں کہتا۔

جواب:

''دوستی'' کا لفظ اچھا ہے' وہ تو تعلق ہوتا ہے۔ دو منافقوں میں بھی آپس میں دوستی ہو سکتی ہے۔ میں نے تو یہ Define کیا ہے کہ دشمن کا دشمن تمہیں دوست بنا رہا ہے۔ پیپلز پارٹی کے دونوں دشمن ہیں۔ بہر حال ملک کے لیے دعا کرو کہ ملک پر آسانی آئے۔ ایک چیز کی ضرور دعا کرو کہ ایک طرف کی حکومت ہو' ان کی کشمکش اچھی نہیں ہوتی۔ کوئی اچھا سا گروہ آ جائے' اچھا سا انسان آ جائے' Common man کے حالات بہتر ہوں' بجٹ بھی اچھا گزرے' یہ بھی دعا کرنی چاہیے غریب لوگوں کے لیے۔ اپنے لیے بھی آپ دعا کیا کریں کہ آپ کا دل

روشن ہو جائے۔ روشن دل کے لیے ضرور دعا کرنا۔ روشن دماغ اور چیز ہے' روشن دل اور چیز ہے۔ اس کی ضرور دعا کرنی چاہیے۔ روشن دل کی نشانی میں آپ کو ضرور بتاؤں گا۔ روشن دل کی تعریف یہ ہے کہ غریبی میں بھی سکون ہو' دولت میں بھی سکون ہو۔ جس شخص کو غریبی میں سکون نہیں ہے اس کا دل روشن نہیں ہو سکتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ غریبی ضرور ہو' توڑ دو غریبی کو' چھوڑ دو غریبی کو' پھاڑ دو غریبی کو' غریبی کا دامن چاک کر دو لیکن اگر غریبی قائم ہے تو سکون میں رہو۔ تیری کوشش کے باوجود اگر تیرا حال غریبی میں ہے تو اپنے دل کو پریشان نہ کر۔ کوشش کرتے جاؤ' محنت کرتے جاؤ اور اگر پھر بھی پریشانی ہے تو سمجھو کہ دل روشن نہیں ہوا۔ روشن دل کی تعریف کر رہا ہوں کہ اگر حالات زبوں حال ہوں تب بھی وہ سکون میں رہتا ہے۔ وہ روشن ضمیر کہلاتا ہے۔ کیونکہ اُسے پتہ ہوتا ہے کہ میرے ساتھ مالک ہے۔ جس آدمی کو یہ پتہ چل جائے کہ مالک میرے ساتھ ہے وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس لیے روشن دل کا مطلب ہے مالک کے ساتھ ہونا اور روشن دماغ کا معنیٰ ہے ملکیت کے ساتھ ہونا۔ اس لیے روشن دماغی سے بچو اور روشن دل ہو جاؤ۔ روشن دل لوگ مالک کے ساتھ ہوتے ہیں اور لوگ ملکیت کے ساتھ ہونا چاہتے ہیں۔ کسی سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ میں سٹور کا مالک ہوں۔ بولا کہ السلام علیکم' تمہارے ساتھ دوستی ہونی چاہیے۔ دوسرا کہتا ہے کہ سٹور والے کو چھوڑو' ہمیں سٹور سے کوئی چیز ہی لے دو۔ اب یہ جو مالک سے دوستی ہے یہ بہت اچھی چیز ہے۔ آپ ساری کائنات

کے مالک سے دوستی کروتو کائنات آپ کو اپنی نظر آئے گی۔ ایسا ہوسکتا ہے۔ آپ گھبراؤ ناں، غریبی اور امیری والا وہاں ہوسکتا ہے۔

آپ اپنے گھروں میں عافیت رکھو، اپنے دل کو کدورت سے آزاد رکھو، اللہ کے اسماء میں سے کسی اسم کی آپ باقاعدگی سے تلاوت کرتے جاؤ، اس ذات کا کوئی اسم ہو، سارے اس کے اپنے نام ہیں، سب روشن چراغ ہیں، اس کا ہر اسم جو ہے اسمِ اعظم ہے۔ وظیفوں میں سے سب سے اچھا وظیفہ بسم اللہ الرّحمٰن الرحیم یہ پڑھتے جاؤ، تو بڑے واقعات ہو جائیں گے۔ اللہ الصمد پڑھتے جاؤ تو بڑے واقعات ہو جائیں گے۔ آپ کوئی چیز باقاعدگی سے کرتے جاؤ۔ اللہ پر تنقید نہ کرو، بس یہ کافی ہے۔ مسلمانوں پر بھی تنقید نہ کرو، یہی تمہارا نور ہے۔ جیسا ہے سو ہے۔ بس کوئی کام کرتے جاؤ۔

سوال:

آپ نے فرمایا ہے کہ دعا کرو کہ اچھا گروہ آ جائے۔ دعا یہ بھی کرنی چاہیے کہ وہ گروہ ہم میں سے ہونا چاہیے۔

جواب:

وہ اپنے ہی ہوتے ہیں۔ یہی دعا کرلو۔ وہ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے ہی ہیں۔ کیا آپ یہ دعا کرنا چاہتے ہیں کہ آنے والے لوگوں میں سے Effective لوگ جو ہیں وہ ہمارے گروہ میں سے ہوں؟

سوال:

نہیں سر!

جواب:

اللہ مہربانی فرمائے۔ اللہ فضل فرمائے۔ اللہ آپ کو اپنا جلوہ ضرور دکھائے۔جلوہ ضرور دیکھ کے جانا۔ جلوہ کیا ہوتا ہے؟ فارمولے کے علاوہ بھی مطمئن زندگی گزارنا۔ یہ جلوے کی تعریف ہے' کہ فارمولے کے علاوہ بھی اگر زندگی گزرے تو مطمئن گزرے' فارمولے سے ہٹ کر بھی اطمینان ہو۔ یہ جلوہ ہے۔ جلوے کے بغیر یہ نہیں ہوسکتا۔ اس میں کمال یہ ہے کہ وہ بندہ دار پر مطمئن ہو جاتا ہے' باقیوں کو پھانسی سزا کے طور پر لگی اور جلوے والا مسکراتا ہوا چلا گیا کیونکہ وہاں پر جلوہ تھا۔ تو دار پر کیا تھا؟ وہاں پر اس کا جلوہ تھا۔ جلوے والے تلوار کے نیچے سجدہ ادا کر گئے۔ کیا بات ہے! تلوار کے سائے کے نیچے سجدہ ادا کرنا سوائے مشاہدے کے نہیں ہوسکتا۔ تو کربلا میں کیا تھا؟ جلوہ تھا۔ سرِ دار کیا تھا؟ جلوہ تھا۔ پتھر کھا کے بھی اس قوم کے لیے بددعا نہ کرنا اور اللہ کی تعریف اور توصیف بیان کرنا کیا ہے؟ یہ جلوہ ہے۔ جسم کے اندر اگر بیماری کے کیڑے آ گئے اور اللہ کو نہیں چھوڑا تو یہ کیا ہے؟ یہ جلوہ ہے۔ بغیر جلوے کے یوسف علیہ السلام قید خانے میں لطف نہیں لے سکتے۔ تو فارمولے کے علاوہ جو اطمینان حاصل ہو رہا ہے یہ سب جلوے سے ہو رہا ہے۔ اس لیے آپ دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جلوہ عطا کرے۔

سوال:

سر! آپ نے جتنے جلووں کے نام بتائے ان کا تعلق.....

جواب:

بڑے لوگوں سے ہے۔ Common man کا تعلق یہ ہوتا ہے کہ

ے زخموں پہ زخم کھا کے جی
اپنے لہو کے گھونٹ پی
آہ نہ کر لبوں کو سی
عشق ہے دل لگی نہیں

تو Common man اس طرح گزار لیتا ہے۔ Common man زندگی کو Properly گزار جاتا ہے۔ Common man بڑے کام کی چیز ہوتا ہے۔ Common man کب پریشان ہوتا ہے؟ جب وہ ہے کامن آدمی لیکن کسی کی اطاعت نہیں کرتا۔ یہاں سے وہ معتوب ہو جاتا ہے۔ Common man ضرور اپنا لیڈر تلاش کرے جس کا اس نے حکم ماننا ہے۔ Common man کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی حکم کے مطابق چلے اور کسی زندہ انسان کے حکم کے مطابق چلے۔ Common man کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔ وہ کیا کرے؟ کسی زندہ انسان کے حکم کے مطابق چلے اور Proper Man کے لیے ضروری ہے کہ وہ جلوہ تلاش کرے اور زندہ انسانوں کو بتائے۔ سارے یہ کرتے رہے ہیں۔ اس طرح بات آسان ہو گئی۔

اب آپ لوگوں کے لیے دعا ہے۔ اس گھر والوں کے لیے دعا ہے۔ جو بیمار ہیں یا طبیعت ناساز ہے ان کے لیے دعا۔ سب لوگ ٹھیک ٹھاک رہیں۔ آپ اپنے آپ میں راضی رہا کریں' اللہ پر راضی رہا کریں۔ سب مل کے دعا کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکٰفرین۔ اٰمین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین۔

O
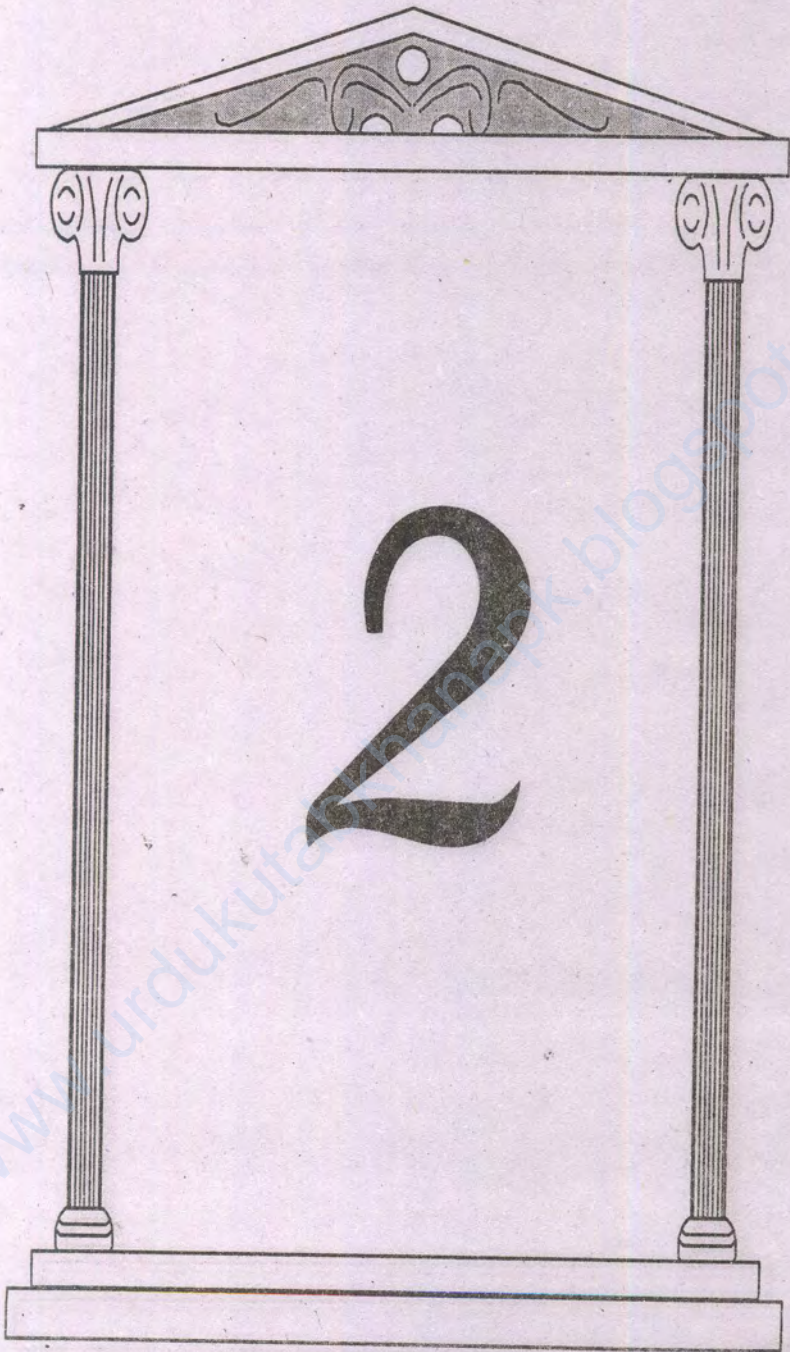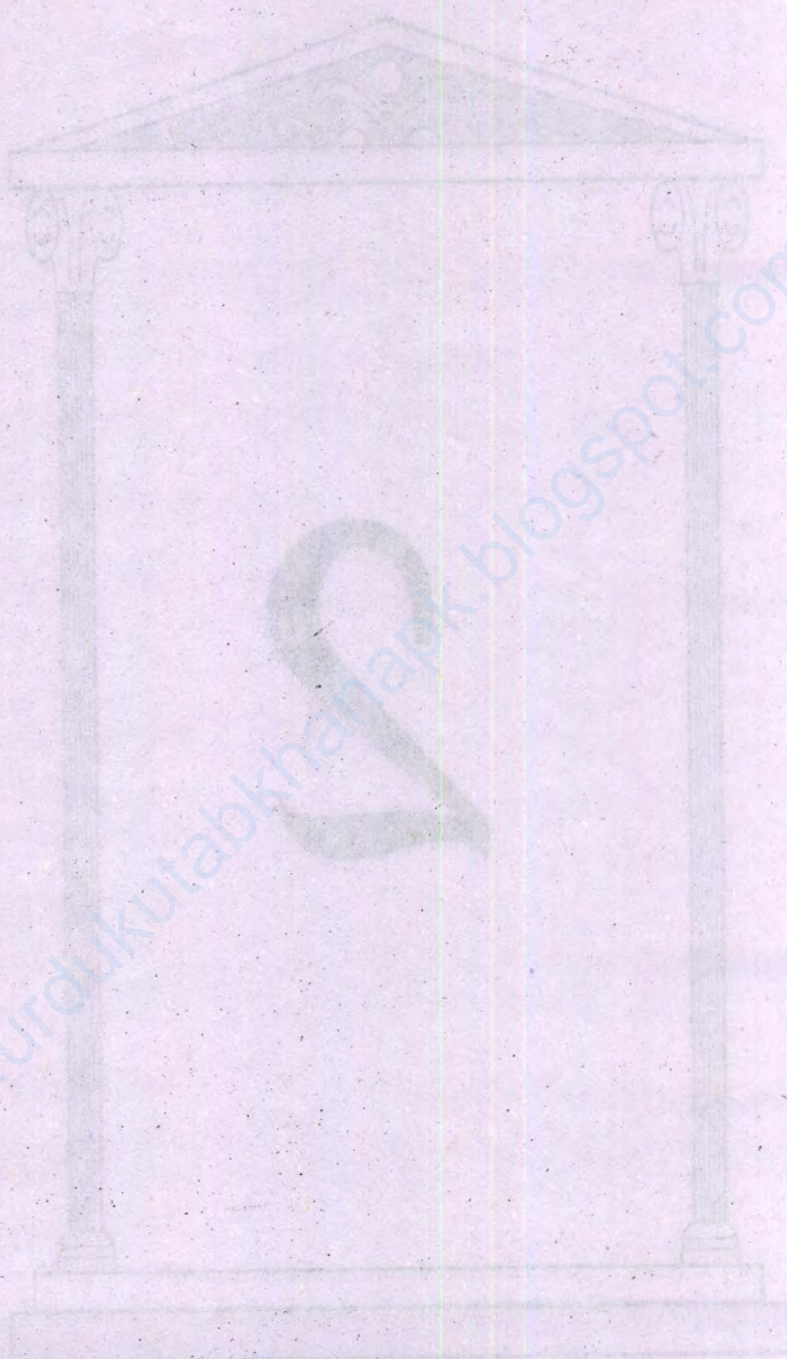
(2)

.....شہادت کا فلسفہ اصل میں کیا ہے؟

سوال:

واقعہ کربلا کو دیکھیں تو حسینیت کا جو فلسفہ ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ ازلی طور پر شقاوت اور محبت ملتی ہے لیکن یہ سب سمجھ نہیں آتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ شہادت کا فلسفہ اصل میں کیا ہے؟

جواب:

آپ یہ سمجھیں کہ ماننے والے ہوتے کون ہیں اور وہ کس چیز کو مانتے ہیں۔ جو مقابل ہیں وہ بھی تو مانتے ہیں۔ یہ بڑے غور والی بات ہے۔ ایک آدمی درخت کی پوجا کر رہا ہے اور دوسرا آدمی جو اللہ کا مقرّب ہے' اُسے درخت ہی سے آواز آتی ہے' وہ رب ہے' اللہ ہے۔ مقرّب جانتا ہے کہ درخت سے آواز نہیں آسکتی' لیکن آواز آرہی ہے اور وہ صداقت ہے اور حقیقت ہے۔ اگر نہ ماننے والا ہو اور نہ پہچاننے والا ہو کہ یہ کون ہے تو وہی چیز دین سے منع کر رہی ہے اور اسی چیز کے اندر سے دین پیدا ہو رہا ہے۔ دین کو کسی نظریے کے حوالے سے پہچاننا بڑا مشکل ہے' نظریہ تو قدم قدم پر آپ کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ آپ یہ اندازہ لگاؤ کہ جتنی تعلیم دنیا کے اندر پیغمبروں کے ذریعے ہوئی وہ ساری ریکارڈ میں ہے

اور جتنی Social Reformers کے ذریعے ہوئی وہ بھی ریکارڈ میں ہے۔ نہ ماننے والوں کے لیے یہ دونوں علم ہیں اور ان میں کوئی عجیب بات نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ ہے' اللہ کی ذات کا ذکر ہے اور باقی ساری کی ساری انسانی صفات ہیں۔ مقصد یہ کہ آپ ذرا اپنے دین سے ہٹ کے یا عقیدے سے ہٹ کے دیکھو تو ایک تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کو منوایا جا رہا ہے اور باقی ساری صفاتِ انسانی ہیں کہ پڑوسی کا خاص خیال رکھا کرو' بیماروں کی بیمار پُرسی کرو' غریبوں کو غریب ہونے سے بچاؤ' تکلیف والے کی تکلیف دور کرو' یتیم کو کھانا دو۔ یہ سارے واقعات ہیں۔ ہر عقیدہ آپ کو یہ کہے گا کہ یہ کرو۔ اب ماننے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ راستہ ہے میری فلاح کا کہ یتیم کو کھانا کھلاؤ اور نہ ماننے والا کہتا ہے کہ یہ جو اللہ کہہ رہا ہے کہ یتیم کو کھانا کھلاؤ تو اللہ اُسے یتیم ہی نہ بنائے' اُسے آپ ہی کھانا کھلا دے۔ جب اللہ کائنات کا مالک ہے اور رزق دینے والا ہے تو آپ ہی اُسے رزق عطا فرما دے' پھر ہمیں کہنے کی کیا ضرورت ہے' مالک تُو ہے اور کہتا ہم کو ہے۔ اب یہاں ازلی انکاری آ گیا اور ازلی اقراری آ گیا۔ ازلی اقراری نے کہا کہ یہ جو اللہ نے کہا ہے کہ یتیم کو کھانا کھلاؤ تو یتیم کی موجودگی میری فلاح کا باعث ہے اور انکار والے کے لیے یتیم کی موجودگی اُس کے کفر کا باعث بنی۔ ایک ہی واقعہ دونوں کے لیے الگ الگ نتیجہ پیدا کر گیا۔ یہ کائنات آپ کو عین حقیقت کا جلوہ دکھائے گی' نُورٌ علی نور ساری کائنات منور ہے' روشن ہے۔ اس میں اچھے انسان رہتے ہیں' پاکیزہ نفوس رہتے ہیں' دن رات تسبیح

ہو رہی ہے' اور واقعات ہو رہے ہیں۔ اور جو شقی القلب ہے اُس کے لیے یہ کائنات ایک ظلم ہے' ایک حجاب ہے' ایک اندھیرا ہے اور ہر طرف بکھرے ہوئے اور بے ترتیب واقعات ہیں۔ اب ان دونوں کو بتایا کسی نے نہیں ہے بلکہ یہ دونوں پر خود بخود ہی آشکار ہوتا جا رہا ہے۔ سورہ الشّمس کی تلاوت کریں تو اللہ کریم نے اس میں بہت کچھ فرمایا ہے۔ اس میں پہلے سورج کا ذکر ہے' وہ نکلتا ہے اور چاند اُس کے پیچھے آتا ہے' زمین آسمان کے واقعات ہیں' انسان کا ذکر ہے' اُس کے نفس کا بیان ہے' پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک بات فرما دی کہ **فالھمھا فجورھا وتقوھا** پھر ہم نے اُس کے اوپر الہام کر دیا نیکی اور بدی کا' ایک میں بھی دونوں اور دونوں میں بھی دونوں۔ کیونکہ یہ انسان ہے اور ہر انسان میں نیکی اور بدی کا شعور نازل ہو گیا اور کچھ لوگوں پر بدی کا شعور نازل ہو گیا۔ آگے پھر حکم آ گیا' کہ بتایا کسی بتانے والے نے کہ یہ جو اونٹنی ہے اس کو آپ نے نہیں چھیڑنا۔ اونٹنی تو دنیا کی ہے وہ اللہ کی کیسے ہو سکتی ہے؟ اللہ کی تو ہر چیز ہے' اور بندے بھی اللہ کے ہیں۔ اُن لوگوں میں ایک باغی اور سرکش تھا' اُس نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اونٹنی اللہ کی ہو' یہ ہمیں بے وقوف بنایا جا رہا ہے' چلو اس کو ذبح کر دو۔ تو انہوں نے ذبح کر دیا یعنی قتل کر دیا۔ اس کا نتیجہ اللہ کریم نے یہ فرمایا کہ ہم نے سب کو پیوندِ خاک کر دیا۔ اب اللہ کا حکم جو ہے اور اللہ کے بارے میں اطلاع جو ہے یہ ایک پیغمبر کے ذریعے مل رہی ہے۔ اطلاع اللہ کی ہے' حکم اللہ کا ہے اور بتانے والا کون ہے؟ انسان۔ اور انسان جو بتانے والا ہے وہ یہ بتا رہا ہے

کہ انسانوں کی بات میں نہ آنا۔ اور وہ پیغمبر خود انسان ہونے کی حیثیت سے اپنی بات منوا رہا ہے۔ کمال تو یہ ہے' صرف یہ بتایا جا رہا ہے کہ انسانوں کے داؤ میں نہ آنا' انسان انسان کو دھوکا دیتے ہیں۔ اللہ کا حکم ہے کہ میری اطاعت کرو اور میرے حبیب پاک ﷺ کی اطاعت کرو اور جس نے اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کی اللہ اُس پر راضی ہوا۔ آپ بتا رہے ہیں کہ انسانوں کی زیادہ فکر نہ کیا کرو' انسان آخر انسان ہی ہیں' برابر ہیں۔ اور اپنی بات اُس طور پر منوائی جا رہی ہے کہ یہ بات جو ہے قُدس کی بات ہے' یہ آسمانی بات ہے۔ اب یہاں نہ ماننے والے کے لیے بڑا تعجب ہے کہ ایک طرف تو Equality بتائی جا رہی ہے اور دوسری طرف اپنا Status منوایا جا رہا ہے۔ ماننے والوں نے اِسی بات کو مان لیا اور انہیں ایمان مل گیا۔ ماننے والے مانتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں سچے رسولؐ ہیں۔ ماننے والے یہ مان رہے ہیں اور جب صلح حدیبیہ کا مقام آیا تو وہاں کافروں نے کہا کہ یہ Title نکال دیں اور اپنا Pure اور Simple نام لکھیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ نکال دو۔ یعنی کہ امتیاز کی جو وجہ ہے وہ بظاہر نکال دی گئی۔ اب وقت ہے کہ جو کمزور عقیدہ ہے وہ واپس چلا جائے۔ وہ کہے گا کہ ہمارا آپؐ کے ساتھ تعلق رسالت کی وجہ سے تھا اور آپؐ نے درمیان میں سے رسالت کا سلسلہ ہی نکال دیا' آپؐ خود ہی اس کو نکال رہے ہیں تو پھر ہماری وجہ تعلق کیا رہ گئی۔ ماننے والوں نے کہا کہ آپؐ اِسے نکالیں یا رکھیں ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ یہ ہے ازلی عقیدہ۔ ازلی عقیدہ یہ ہے' ایمان کی تعریف یہ ہے کہ اللہ کو

ماننا' اللہ کے حبیب پاک ﷺ کو ماننا' فرشتوں کو ماننا اور جو ازلی عقیدہ رکھتا ہے وہ کہتا ہے کہ ایمان کی تعریف یہ ہے کہ ایمان بھی آپؐ پر نثار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کی بات اللہ کے حوالے سے احکامِ الٰہی ہے اور جو احکامِ نبیؐ ہیں وہ بھی اتنے ہی اہم ہیں جتنے کہ احکامِ الٰہی ہیں' حالانکہ وہ احکام ہیں کسی عبد کے جو رسول بھی ہیں اور پیغام لا رہے ہیں۔ لیکن یہ وہی احکام ہیں کہ تم وہاں جاؤ اور تم وہاں نہ جاؤ' یہ کھانا کھالو اور وہ کھانا نہ کھاؤ۔ یہ عام فہم بات ہے۔ اس بات سے جو انکار ہے وہ اتنا ہی باعثِ عذاب ہے جتنا اللہ کی عبادت سے واضح انکار ہے۔ ہر چند کہ یہ عبادت نہیں ہے لیکن اس کے برابر ہے۔ اب یہ جو مقام آیا ہے کہ درمیان میں انسان کو پہچاننا' یہ بڑا مشکل ہے۔ اس لیے میں نے کہا کہ اگر آپ تاریخِ عالم کا مطالعہ کریں تو انسانوں کی آوازوں میں سلسلہ وار' دین کے حوالے سے ایک آواز جو ہے وہ اللہ ہی کی آواز چلی آرہی ہے۔ اللہ نے کہا کہ ''ان سے کہہ دیجیے'' اور آپؐ نے کہہ دیا' تو یہ کس کی آواز تھی؟ اللہ کریم کی۔ اس کے ساتھ آپؐ نے اپنی زبان میں بھی بات سمجھادی' اور یہ زبان وہی ہے کہ ''یہ تو اپنی مرضی سے بولتے نہیں ہیں' ان پر وحی نازل ہو تو بولتے ہیں''۔ گویا کہ وہ بولنے والا جو اللہ کی طرف سے بول رہا ہے اس کا اپنا بولا ہوا بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ اللہ کا بولا ہوا ہے' ہر چند کہ اللہ جانے اور اللہ کے حبیب ﷺ جانیں۔ ہمیں تو اتنا پتہ ہے کہ آپ ﷺ کی زبان سے نکلا ہے' یا تو میتھیمیٹکس ہو کہ ہم فارمولا لگالیں لیکن نہیں۔ آپؐ نے جب فرمایا کہ یہ اللہ کا ارشاد ہے تو ہم یہ مانتے ہیں اور جب

آپ کا اپنا ارشاد ہے تب بھی ہم مانتے ہیں۔ اور جو نہیں مانتے وہ نہ اللہ کا ارشاد مانتے ہیں اور نہ آپ کا مانتے ہیں۔ انہوں نے تحقیق بھی نہیں کرنی، وجہ بھی نہیں دیکھنی کیونکہ یہ ایسی چیز ہے کہ اگر ازلی ایمان نہ ہو تو ماننے کا امکان نہیں ہے۔ وجہ کیا ہے؟ ہم یہ مانتے ہیں کہ آج شام کو ایک جلسہ ہوگا، وہاں آپ کو لڈو ملیں گے۔ اگر لڈو مل گئے تو آپ جلسے کو مان لو اور نہ ملے تو آپ انکار کر دینا۔ اب یہ Statement کیا ہے؟ کہ جس کا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا بیان ہو جس کا مشاہدہ ممکن ہو تو آپ تصدیق کر سکتے ہیں۔ اب یہ دونوں واضح بیان ہیں اور دونوں کا مشاہدہ نہیں ہے، کہ ایک اللہ ہے اور دوسرا یہ کہ مرنے کے بعد ایک زندگی ہے۔ زندہ انسان کے پاس مشاہدہ ان دونوں کا نہیں ہے۔ اب سوائے اعتبارِ شخصیت کے ماننے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے، اور وہ شخصیت ایک انسان ہے۔ گویا کہ انسان کے اپنے اندر ماننے کا جذبہ پیدا ہو جائے تو پھر وہ اس انسان کی بات اسی طرح مانتا ہے جس طرح اس انسان کے پاس آئے ہوئے اللہ کی طرف سے جو احکام ہیں وہ ان کو مانتا ہے۔ اور جو نہیں مانتا وہ انہیں انسان کی طرح کا کہتا ہے کہ یہ تو انسان ہیں، ہم نے کیا ماننا ہے۔ اعتراض کرنے والے نے اعتراض کیا کیا؟ کہ یہ کیسے نبی ہیں کہ بازار جاتے ہیں، سودا خریدتے ہیں اور اگر یہ اللہ کے نبی ہوتے تو اللہ ان کے ساتھ فرشتے لگا دیتے۔ اللہ نے جواب دیا کہ تم لوگوں نے یہ کیسا سوال کیا، کہ اگر میں ان کے ساتھ فرشتے بھی بھیج دیتا تو انسانی دنیا میں ان کا انسانی روپ ہوتا اور تم کب مانتے۔ انسانی دنیا میں اگر سچ مچ کا

فرشتہ آ جائے تو آپ لوگ پاگل ہو جائیں گے۔ جن لوگوں کے بزرگ فوت ہو چکے ہیں مثلاً کسی کا باپ فوت ہو گیا' اُسے پتہ ہوتا ہے کہ دفن کر کے آئے ہیں' اگر وہ اُسے یاد کر رہا ہو اور اُس کا باپ اچانک کمرے میں آ جائے تو وہ تو ویسے ہی مر جائے گا حالانکہ وہ اپنے باپ کو یاد کر رہا تھا۔ اس لیے جس چیز کو آپ یاد کر رہے ہیں' ناممکنات میں ممکن ہو جائے تو آپ پاگل ہو جائیں۔

مطلب یہ کہ یہ ایسی چیز ہے کہ ماننے والا اس طرح مانتا ہے کہ اُس کے ہاں تحقیق کا مقام ہی نہیں ہے' بس اللہ کو مانا کہ اللہ ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے تو اُنہوں نے کہا کہ بس وہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہم معراج پہ گئے' پھر ایک مقام آیا سدرۃ المنتھیٰ اور پھر قاب قوسین آیا بلکہ اُس سے بھی آگے۔ یہ بیان کس کا ہے؟ اللہ کا۔ اگر یہ بندے کا اپنا بیان ہوتا تو آپ اُس پر سوچتے مگر یہ اللہ کریم کا اپنا بیان ہے کہ سبحن الذی اسریٰ بعبدہ پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو۔ یہ Statement کس کا ہے؟ اللہ کا' کہ ہم نے ایسا کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اللہ ایسا کر سکتا ہے؟ ماننے والے کے لیے وہ کر سکتا ہے اور نہ ماننے والے کے لیے یہ کوئی بات نہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک ایسا مقام آیا کہ ہم قریب چلے گئے' اور قریب چلے گئے اور جو پھر جو ہوا سو ہوا۔ ماننے والے سبحان اللہ کہہ کے خاموش ہو گئے اور مان گئے۔ عبد کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ صرف روح ہے اور نہ خالی جسم ہے بلکہ عبد جو ہے وہ جسم اور روح کی ملاقات ہے۔ اب یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہو گیا۔ اللہ نے کہا کہ ہم نے اپنے

عبد کو سیر کرائی۔ اور عبد جو ہے یہ جسم اور روح دونوں کا نام ہے گویا کہ وہ بالوجود موجود ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ اِسے بالروح مانتے ہیں تو اگر اللہ یہ سیر بالواسطہ کرادے تو اس میں آپ کو کیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ کبھی اللہ خود آ جائے اور کبھی بلا لے

کبھی بلا کے کبھی پاس جا کے دیکھ لیا

اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ جن کا رابطہ ہے، رابطہ یہاں ہو جائے یا رابطہ وہاں ہو جائے، آپ لوگوں کے لیے دونوں باتیں مشکل ہیں اور دونوں آسان ہیں، ماننے والے کے لیے یہ آسان ہے اور نہ ماننے والے کے لیے بڑی مشکل بات ہے۔ ازلی مشکل کہاں پیدا ہوتی ہے؟ مثلاً کتاب تو ایک ہے اور یہ مالک کی کتاب ہے جس کے بعد کوئی کتاب نہیں آنی اور نہ کوئی کتاب آئی ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ کتاب گمراہ بھی کر سکتی ہے اور ہدایت بھی دے سکتی ہے یضل به کثیرا ویھدی به کثیرا مطلب یہ کہ یہی کائنات، یہی زندگی، یہی راستے، یہی کتابیں اور یہی مساجد کو گمراہ کر رہی ہیں اور راہ تلاش کرنے والے کے لیے راستہ بن رہا ہے جب کہ وہ دونوں ایک ہی سفر کر رہے ہیں، ایک آواز ایک کے کان میں حلاوت پیدا کر دیتی ہے اور دوسرے میں بغاوت پیدا کر دیتی ہے۔ اب یہ جو چیز ہے ازلی ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ عشق کا قطرہ جو ہے یہ ازلی انعام ہے، اسی طرح تحقیق بھی ایک انعام ہے اور جو بغاوت ہے وہ سزا کے طور پر ایک انعام ہے۔ شیطان جو ہے وہ باقی فرشتوں میں سے ایک باغی نکلا، اُس سے پہلے تو کوئی

شیطان نہیں تھا جس نے اُسے گمراہ کیا۔ آپ کہیں آگے پیچھے ہو جائیں تو کہتے ہیں کہ شیطان نے گمراہ کر دیا یا کسی بندے نے گمراہ کر دیا۔ شیطان سے پہلے تو کوئی شیطان نہیں ہے۔ شیطان نے کہا تھا کہ آپ نے مجھے اغواء کر لیا ہے' گمراہ کر لیا ہے' مجھے بتائیں تو سہی کہ میرے ساتھ ہوا کیا ہے۔ اللہ نے کہا کہ تیرے اپنے اندر طاغوت بولا ہے۔ اگر شیطان سے پہلے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے تو یہ ازلی ہوا۔ اب یہ ازلی کیوں ہے؟ یہ سوال بند ہے۔ بلکہ تم سے سوال ہوگا کہ تم نے ایسا کیوں کیا' مجھ سے یہ سوال کیسے کر سکتے ہو کہ میں نے ایسا کیوں کیا' میں جانوں اور میری مصلحتیں جانیں' ہم جانیں اور ہمارے کام جانیں' تم اس کو صرف پہچان سکتے ہو اور اس پر عمل کر سکتے ہو' یہ نہ کہنا کہ اسے میں نے یتیم کیوں کیا بلکہ اس کو کھانا کھلاؤ' یہ نہ پوچھنا کہ میں رازق کیسے ہوں بلکہ میرے بیان کو تسلیم کرو کہ میں رازق ہوں۔ اگر تمہیں کل سے یا پچھلے مہینے سے رزق نہیں ملا تو بھی رازق کون ہے؟ اللہ ہے۔ اب عبادت میں فرق نہ آنے پائے اور یہ کہو کہ اللہ کا بیان سچا ہے۔ اگر رزق نہیں ملا تو اس میں گھبرانے والی کوئی بات نہیں ہے' جہاں ایک رزق بند ہو جاتا ہے وہاں دوسری قسم کا رزق ملنا شروع ہو جاتا ہے مثلاً ایمان کا رزق مل گیا۔ اس لیے اس بات پہ بڑا غور کرنا کہ ماننے والا مشکل بات کو بھی آسانی سے مانتا ہے اور نہ ماننے والا آسان بات کو بھی نہیں مانتا۔ اسے کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد ایک زندگی ہوگی۔ فرض کرو کہ اگر نہ ہوئی' استدلال کیا اور وہ نہ نکلی تو عبادت تمہیں کون سا نقصان دے گی اور اگر وہ زندگی ہوئی تو عبادت تمہیں

بچا لے گی۔ جس طرح صحرا کے مسافر کو ہم یہ کہتے ہیں کہ راستے میں نخلستان نہیں ہے، چھاگل بھر لو۔ دوسرے کہتے ہیں کہ راستے میں نخلستان بہت ہیں، ایسے میں پانی نہ لے جانا، وقت ضائع نہ کرنا۔ اب آپ احتیاطاً چھاگل بھر ہی لو، نخلستان آ گیا تو بھی یہ پانی تم پہ کون سا بوجھ بنا ہوا ہے۔ اور اگر نخلستان نہ آیا اور ہماری بات سچی ہوئی تو یہ پانی تمہاری جان بچائے گا۔ لٰہذا گھر سے عقیدہ لے کے چلو، آگے کوئی زندگی نکل آئی تو یہ عقیدہ تمہیں بچائے گا اور اگر نہ نکلی تو عقیدے نے تیرا کون سا نقصان کیا۔ اس میں تیری بہتری ہے۔ اس طرح یہ دلیل دی گئی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ماننے والے ازلی طور پر مانتے ہیں اور نہ ماننے والے نہیں مانتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیدا فرمانے والے نے فیصلہ فرمادیا کہ **ومنکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ** آپ نے ازلی شقاوت کا جو لفظ استعمال کیا ہے وہ بڑا سخت لفظ تھا، تو ماننے کے بعد بھی جو شقی ہے شقی رہتا ہے منافق ہو جاتا ہے۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ جب آپؐ کے پاس منافق آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اور یہی تو ایمان ہے کہ یہ گواہی دینا کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ پھر اللہ کریم نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں، میں نے خود بنا کے بھیجا ہے لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ منافق جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ گویا کہ جھوٹا آدمی سچ بولے تب بھی جھوٹ ہے۔ جھوٹا جو ہے وہ ازلی ہے، جھوٹا جب ازلی ہے تو وہ اگر سچ بولے تب بھی ازلی جھوٹا ہے۔ جھوٹا اگر نماز بھی پڑھے تو یہ جھوٹ

ہے۔ جھوٹا اگر بظاہر امیر المومنین بن جائے تب بھی جھوٹا ہے' جھوٹا اگر شریعت میں رہ کر یزیدیت کرے تو بھی جھوٹ ہے۔ یزید کی نماز اور ہے' امام علیہ السلام کی نماز اور ہے۔ ماننے والے جو ہیں وہ ازلی طور پر اور طرح سے مانیں گے اور انکاری اور طرح سے رہیں گے۔ یہاں جس شخص نے حضور پاک ﷺ کی ذات پر درود بھیجنا ہے کیا اس کو پتہ نہیں ہے کہ یہ نسبت کیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جلدی سے امام علیہ السلام کو شہید کرو کیونکہ ہم نے نماز بھی ادا کرنی ہے تو اس سے پوچھو کہ تم کون سی عبادت کر رہے ہو۔ مدعا یہ ہے کہ یہ کون سی عبادت ہو رہی ہے۔ عبادت اگر بغیر پہچان کے اور کسی لالچ کی بنا پر کی جائے تو یہ ازلی شقاوت ہے۔ یہ عبادت نہیں ہے۔ عبادت یہ ہے کہ دل سے تسلیم کرو۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ اے ایمان والو! ایمان لے آؤ۔ یعنی کہ ایمان لاؤ۔ گویا کہ ایمان لانے کے بعد بھی ممکن ہے کہ ایمان آپ کے قلب میں داخل نہ ہو۔ ایمان قلب میں کب داخل نہیں ہوتا؟ جب انسان اللہ کریم کی باتوں کو دیکھتا ہے' سمجھنے کی کوشش کرتا ہے' سمجھ نہیں آتی تو گلہ کرتا ہے۔ یہ انسان پوری طرح ایمان میں داخل نہیں ہوا۔ وہ کہتا ہے کہ ہم غریب ہو گئے' حالات خراب ہو گئے' پچھلے چھ دن سے باقاعدہ نماز پڑھ رہا ہوں لیکن ابھی تک منی آرڈر نہیں آیا.... مطلب یہ کہ انسان پریشان ہو جاتا ہے اور اپنے عقیدے کو اپنی زندگی کے مقابلے میں بیچتا ہے یا استعمال کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ عقیدہ آئندہ زمانے کے لیے تیری فلاح ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ اس زندگی میں تم کلمہ پڑھو تو تمہیں پیسہ ملے گا' یہ نہیں بتایا گیا کہ

اگر نماز پڑھو گے تو تمہیں بادشاہی ملے گی۔ ہوا یہ' واقعہ یہ ہوا کہ بادشاہوں نے نماز کے ذریعے یہ اعلان کر دیا کہ ہمیں اللہ نے بادشاہی دی ہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ غریب کو اس کی عبادت سے محروم کر دیا۔ یہ بڑے غور کی بات ہے۔ جو شخص ایک برے ماحول میں پیسہ کما رہا ہے' رشوت کا پیسہ کما رہا ہے' وہ لوگوں کو گھر بلا کے یہ کہتا ہے کہ اللہ نے میرے پر بڑا احسان کیا ہے' اللہ کی بڑی کرم نوازی ہو گئی ہے کہ ہمارے حالات بدل گئے' بس اللہ اور اللہ والوں نے مہربانی کر دی..... حالانکہ اس نے دفتر سے رشوت لی ہے۔ تب غریب یہ کہتا ہے کہ اس کی عبادت تو منظور ہو گئی اور ہماری عبادت منظور نہیں ہو رہی۔ گویا کہ اس نے عبادت کو کسی غلط چیز کے ساتھ' فوری نتیجے کے ساتھ منسوب کر کے اصلی عبادت کو مخدوش کر دیا۔ اور یہی آپ کے ملک میں ہوا ہے' ہنگامہ یہ ہوا کہ غریب تو غریب تھا ہی سہی مگر اس سے عبادت کا ذائقہ بھی چھین لیا گیا' عبادت کا لطف بھی اس سے لے لیا گیا۔ کس نے؟ امیر آدمی نے' جس نے اپنی دولت کو اللہ کا فضل بنا کے پیش کر دیا اور وہ دولت ناجائز کمائی کی تھی۔ یتیم کا مال لے کے حج کرنے چلا گیا اور اللہ کے گھر میں بڑے غرور کے ساتھ جا پہنچا کہ ہم اس بات کا انکار کر کے جو کہ آپ کا حکم تھا' آ گئے ہیں۔ اس طرح وہ اللہ کے دربار میں آ گیا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ کے دربار سے کوئی بات ملی نہیں ہے۔ اس کو کیا بات ملے گی۔ مدعا یہ کہ اللہ کے حکم سے انکار کر کے اِن کے سامنے آ جانا تو بڑی گستاخی کی بات ہے۔

ہمارے سماج میں جو دراڑ پڑی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ جو بادشاہ ہوتے

ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو اسلام سے بڑی محبت ہے' اسلام کی خاطر بادشاہت کررہے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم اسلام کی خاطر بادشاہت کررہے ہو تو ہمیں اسلام کی خاطر تھوڑی سی وزارت ہی کرنے دو۔ نتیجہ یہ ہوجاتا ہے کہ یہ آدمی جو غریب ہے اور عبادت میں مصروف تھا اس کی عبادت کے رُخ موڑ دیے جاتے ہیں۔ عام طور پر دنیا میں جتنے بھی بادشاہ آئے ہیں وہ سارے کے سارے طاغوت کا Symbol رہے ہیں۔ ہمارے اپنے مسلمانوں کے بادشاہ جو ہیں جیسے بابر' اکبر' دینِ الٰہی وغیرہ وغیرہ' ان لوگوں نے جو ظلم یا مظالم کیے ہیں' انہوں نے آسائش کی جو زندگی گزاری ہے' یا مساجد کے ساتھ جو گاناوغیرہ ہوا ہے' تو ان لوگوں نے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ بڑی دیر ہوگئی ہے کہ ایسا کوئی آدمی نہیں آیا جس کا مرتبے میں ہونا لوگوں کی عقیدت میں ہونے کے برابر ہو۔ کیونکہ وہ آدمی نہیں آیا لہٰذا سب لوگ پریشان ہیں۔ یہاں جو مرتبے میں آیا ہے وہ جھوٹا نکل آیا ہے۔ لوگوں کا ایک آئٹم کبھی پورا نہیں ہوا' اللہ کو مانا' اللہ کے حبیب ﷺ کو مانا مگر ظاہر میں موجود کوئی ایسا انسان نہیں ہے جس پر ان کا فی سبیل اللہ اعتماد ہو جائے۔ اگر کسی پر فی سبیل اللہ اعتماد ہوجائے تو پھر یہ مسئلہ حل ہوجاتا ہے' کہ ہم اس پر ویسے ہی اعتماد کرتے ہیں جیسے باقی کے اعتماد ہیں۔ اس لیے ایمان اور انکار دونوں ازلی ہیں۔ جس کو آپ ازلی کہہ رہے ہیں اس میں ایک باریک پوائنٹ ہے کہ ماننے والوں کے لیے لفظ ''ازلی'' ہے اور نہ ماننے والوں کے لیے تو ازلی کوئی نہیں ہوتا۔ گویا کہ آپ کے لیے یہ بتایا جارہا ہے کہ آپ کو ایمان کی دولت

اللہ کے فضل سے ملی ہے اور یہ آپ کے تقاضے کا نتیجہ نہیں ہے۔ آپ کے تقاضے کا شعور بھی ابھی پیدا نہیں ہوا تھا اور اللہ نے آپ کو مسلمان گھرانے میں پیدا کیا اور آپ کو اس امت میں پیدا کیا۔ یہ احسان جو ہے اس احسان کو ازلی احسان سمجھو اور اللہ کا شکر بجا لاؤ۔ یہ آپ کی تحقیق کا مقام نہیں ہے کہ آپ کسی اور مذہب میں تھے اور وہاں سے سفر کرتے کرتے اللہ کے قریب آئے' یہ تو اللہ ہی قریب آیا ہے۔ یعنی کہ اللہ آپ کے قریب آیا ہے اور وہ آپ کو بتا رہا ہے کہ میرے احسان کا شکر ادا کر اور تو بھی ہمارے قریب ہو جا' سجدہ کر اور قریب ہو جا۔ اللہ کریم کا یہ ارشاد ہے کہ پہلا احسان اس کا اپنا ہی ہے۔ اللہ کے احسان پر پورا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہمیں یہ جو ایمان عطا ہوا ہے یہ ازلی ہے' جو تسلیم عطا ہوئی ہے یہ ازلی ہے اور آپ کے خیال میں جن کو نہیں ملی وہ بھی ازلی ہے۔ ہونا یہ چاہیے' وہ اللہ کا کام ہے کہ ان کو عطا نہیں کیا۔ وہ جس کو چاہتا ہے ایمان دیتا ہے' جس کو نہ چاہے' وہ اللہ کا کام ہے کہ ان کو عطا نہیں کیا۔ وہ جس کو چاہتا ہے ایمان دیتا ہے' جس کو چاہے ظلمات سے نور میں داخل کر دیتا ہے' جس کو جو چاہے وہ کرتا ہے' چاہے تو قلب پہ مہر لگا دے۔ ختم اللہ علی قلوبھم ان کے دلوں پر مہر لگا دے اور کبھی چاہے تو

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

زندگی انکار میں گزرے' بت پرستی میں گزرے اور بعد میں اعلیٰ مقام پہ ہوں' شان والے بزرگ ہوں' اس حد تک شان والے کہ ان کے پرانے نام بھی اسی

طرح مقدس کردیے گئے۔ مطلب یہ کہ یہ اللہ کی شان ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں کہ یہ ازلی ہے۔ ان کو فیض دینے کے لیے اللہ نے اپنی رحمتوں کو مجسم بنا کے بھیجا۔ اللہ نے کہا کہ میں نے تو اس معاشرے کو ازلی فیض دینا تھا مگر یہ معاشرہ تو کہیں اور جا رہا ہے‘ لٰہذا اللہ نے وہاں اپنی رحمت کو بھیجا‘ رحمت اللعالمین ﷺ کو بھیجا کہ یہ اس معاشرے کا ازلی حصہ ہے‘ اس کو جا کے دے آئیں۔ اسی طرح نصیب کا ازلی حصہ ہے۔ آپ کو اس کا ہر روز ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً ابھی آپ نے امام عالی مقام علیہ السلام کا ذکر کیا‘ امام عالی مقام علیہ السلام آپ کا مشاہدہ تو نہیں ہے بلکہ آپ کا علم ہے۔ علم جو ہے گفتگو میں آیا‘ علم جو ہے تحریر میں آیا اور اس علم سے تو وابستگی پیدا نہیں ہوئی ہے‘ وابستگی جو ہے یہ ازلی پیدا ہوئی ہے کیونکہ علم بیان کرنے سے تو محبت پیدا نہیں ہو جاتی‘ کربلا تو ایک واقعہ ہے‘ اگر صرف علم کے طور پر آپ پڑھو تو یہ ایک واقعہ ہے لیکن آپ کے لیے تو یہ واقعہ ہمہ حال ہے۔ اس واقعہ کا ہمہ حال ہونا اللہ کا احسان ہے‘ یہ اس کا احسان ہے کہ آپ کو ماضی کے کسی بزرگ سے نسبت ہو جائے‘ شوق کی نسبت ہو جائے‘ عقیدت کی نسبت ہو جائے۔ کوئی بیان یہ نہیں کر سکتا کہ ماضی کے کسی بزرگ سے عقیدت پیدا کرا دے جب تک یہ ازلی نصیب نہ ہو۔ گویا کہ یہ ازلی نصیب ہے اور یہ ازلی ہی رہے گا۔ آج بھی کچھ لوگوں میں یہ ازلی طور پر ہے۔ جو ان کو نہیں مان رہا اُسے آپ کہیں کہ اسے ہمارا عقیدہ سمجھ لو‘ ہمارا احترام کر لو‘ ہم بھی اسی معاشرے میں رہنے والے ہیں‘ اس احترام کا کچھ خیال کر لو‘ تم نے امام پاک علیہ السلام کے

خلاف کوئی بات نہیں کی ہے بلکہ تم نے ہمارے ایمان کے خلاف بات کی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ تو نے ہمیں نظر انداز کیا ہے۔ جو شخص آپ کے سامنے اللہ کے خلاف بات کر رہا ہے وہ تو اللہ کو مانتا نہیں ہے' وہ اللہ کے خلاف نہیں ہے' وہ تو آپ کے خلاف بات کر رہا ہے۔ دراصل وہ آپ کے نظریے کے خلاف بات کر رہا ہے اور آپ کے خلاف بات کر رہا ہے۔ آپ تو اللہ کو مانتے ہیں اور وہ تو مانتا نہیں ہے' اس کا اللہ کوئی ہے ہی نہیں۔ گویا کہ جب بھی کوئی شخص کسی عقیدے کے خلاف بات کر رہا ہو تو اصل میں وہ آپ کے عقیدے کے خلاف بات کر رہا ہوتا ہے۔ اس کو ذاتی طور پر جواب دیا کرو۔ یہ الگ بات ہے' ضروری ہے' وہ واقعاتی بات نہیں ہے بلکہ ذاتی بات ہے۔ اس طرح زندگی میں یہ سمجھنا چاہیے کہ عقیدہ کس طرح Develop ہوا اور آپ تک یہ عقیدہ کس طرح آیا تو پھر آپ قدم قدم پر ہر ابتلا کے اندر ایک مقام دیکھیں گے۔ جس کو آپ نے حُسینیت کا فلسفہ کہا یا شہادت کہا یہ فلسفہ نہیں ہے یہ Otherwise ایک حقیقت ہے' یہ ایک حدیثِ قدسی ہے' ایک واقعہ ہے' ایک واردات ہے' یہ اللہ کریم کی اپنی ایک بات ہے' ایک خودنوشت سوانح ہے' ایک اور قسم ہے۔ اگر آپ اس واقعہ کو یزید کی طرف سے سمجھیں تو آپ کو سمجھ نہیں آئے گی اور امام پاکؑ کی طرف سے واقعہ کو سمجھیں گے تو بھی سمجھ نہیں آئے گی مگر جب اللہ کی طرف سے سمجھیں گے تو پھر آپ کو بات سمجھ آئے گی کہ یہ قصہ کیا ہے۔ یعنی کہ اسلام کے اندر اس واقعہ سے شہادتِ اسلام یعنی اسلام کی گواہی جو ہے وہ کیسے ادا ہوئی ہے' مشاہدۂ حق کس

طرح ادا ہوا۔ اور مشاہدۂ حق کے بغیر قربانی نہیں ہو سکتی۔ اس کے بغیر کوئی قربانی کر ہی نہیں سکتا۔ مقصد یہ کہ جس کے نام کی قربانی ہے اگر وہ نظر میں ہو تو پھر یہ قربانی ہو سکتی ہے۔ گویا کہ دنیا کے اندر اگر کبھی معتبر شہادت ہوئی ہے تو وہ یہ شہادت ہے، کہ جس کے اندر مشاہدہ ساتھ ساتھ قائم ہے۔ اگر مشاہدہ قائم نہ ہو تو پھر اس کے اندر ابتلاء آ جاتی ہے اور اِبتلا اس مقام سے گزر نہیں سکتی۔ یہ اِبتلاء نہیں ہے بلکہ یہ انعام کا مقام ہے۔ اس لیے آپ اس سوال پہ ذرا غور کریں تو آپ کو سمجھ آ جاتی ہے کہ یہ مقام کیا ہے، پھر یزید ایک سیکنڈری چیز بن جاتا ہے۔ اُس سے تو آپ بالکل ہی لاتعلق ہو جاؤ۔ بات صرف اتنی ساری ہے کہ ایک انسان نے دین کی صداقت کی شہادت کا حق کس طرح ادا کیا یعنی اُس کی گواہی کا حق ادا کیا، کہ یہ ہے اس کی گواہی۔ ایک تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد عبدہ و رسولہ اور یہ کہنے کا انداز کربلا ہے۔ اور یہ انداز آج تک معتبر ہے اور ہمیشہ کے لیے معتبر ہے۔ اور کہنے والوں نے بہت کچھ کہہ دیا کہ

اے دل بگیر دامنِ سلطانِ اولیاء
یعنی حسین ابنِ علیؓ جانِ اولیاء

بات صرف اتنی ساری ہے کہ اہلِ فکر حضرات، اہلِ شوق حضرات یا اہلِ درد حضرات جو ہیں ان کو درد کا وافر سرمایہ یہاں سے ملا ہے اور اُن کی ولایت کو یہیں سے خوراک ملی ہے۔ مقصد یہ کہ اُن کے لیے یہ خوراک یہیں ہے اور یہی اُن کے

لیے ایک سرمایہ ہے یہ یاد جو ہے ان کے ایمان کا ایک سرمایہ ہے۔ اس لیے اس کو آپ ایک واقعہ کے طور پر نہ دیکھنا بلکہ کوشش یہ کرنا کہ آپ کو یہ کبھی ایک مشاہدہ کے طور پر نظر آئے۔ دعا یہ کرنا کہ یہ مشاہدہ ہو' واردات میں ہو یا نگاہ میں ہو دونوں باتیں ممکن ہیں اور یہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس واقعہ کو بڑے ہی ذوق کے ساتھ دیکھیں، غم کے طور پر دیکھیں' واقعات کے طور پر دیکھیں' اللہ کے احسان کے طور پر دیکھیں اور اللہ کی مہربانی کے طور پر دیکھیں۔ اگر ظلم کے حوالے سے دیکھیں گے تو پھر انتقام پیدا ہوگا۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ اس کو اللہ کی مہربانی کے حوالے سے دیکھیں' نفرت کو نکال کے دیکھیں۔ مخالف اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کا اُن سے نفرت کا تعلق ہو اور وہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یزید کو تو آپ ایک تلوار ہی سمجھو جو ایک بے جان سی تلوار ہے۔ اگر آپ حق کے حساب سے دیکھیں تو اللہ جیسی مرضی تلوار استعمال کر لے۔ مخالف جو ہے وہ سیکنڈری چیز ہے اور اس پر ہمیشہ کے لیے الزام آ گیا۔ اللہ نے ریت کو عزت دے دی اور فرات کو پشیمانی دے دی۔ یہ اُس کے اپنے کام ہیں کہ وہ دریا ہو کے ہمیشہ کے لیے بدنام اور پشیمان رہے گا اور یہ ریت ہو کے ہمیشہ کے لیے سرخرو رہے گی۔ مدعا یہ کہ یہ ایک خاص واقعہ ہے' یہ اللہ کے کام ہیں کہ وہ جب چاہے کوئی واقعہ کر سکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے عجب حساب ہیں اور یہ ایک عجب داستان ہے' اہلِ فکر کے لیے یہ واقعہ ہے' اہلِ درد کے لیے یہ واقعہ ہے' اہلِ سوز کے لیے اور اہلِ نظر کے لیے' شب بے داروں کے لیے اور اعتراض سے بچنے والوں کے لیے یہ واقعہ

ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اُسی انداز میں سوچو کہ یہ واقعہ ہے کیا، یہ واقعہ کس طرح لکھا گیا، اللہ ریگستان پر کیا لکھ رہا ہے، یہ وہ قرآن ہے جو اللہ لکھ رہا ہے۔ گھبرانہ جانا، اس حوالے سے کائنات بھی قرآن ہے یعنی کہ

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

اور مومنوں میں سے امام عالی مقام علیہ السلام کو آپ اوّل مومن مانو۔ اس لیے اگر اُن کو قرآن کا لفظ کہہ دیا جائے تو حرج نہیں ہے، آپ انہیں ناطق قرآن کہہ دو، کچھ کہہ دو۔ مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ واقعہ آپ لوگوں کے لیے، اہلِ فکر حضرات کے لیے لکھ رہا ہے کہ Compromised نہیں ہونا۔ ایک بات تو یہ ہے اور پھر دوسری بات کہ فرار نہیں ہونا اور جب گواہی کا وقت آئے تو وہاں خاموش نہیں ہونا **لا تلبسوا الحق بالباطل ولا تکتموا الحق وانتم تعلمون** تو حق کو باطل کا لباس نہ پہناؤ اور خاموش نہ ہو جائے۔ یعنی کہ

اگر مے کدے پہ حرف آئے
تو خاموشی اک جرم ہے

جب ہر چیز گم نام ہونے لگ جائے تو خاموشی نہیں ہونی چاہیے، اُس صداقت پہ خاموشی اب نہیں ہو سکتی۔ صادق اُس وقت بولے گا جب بولنا ضروری ہو گیا۔ گویا کہ آپ اس انداز سے سوچو کہ یہ صداقت کس طرح گویائی کر رہی ہے، یہ واقعہ کس طرح ہو رہا ہے۔ اگر ایسے تسلیم و رضا کے طور پر سوچو تو یہ انتہا ہے۔ تسلیم و رضا

کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ یزید اور امام پاک علیہ السلام کے درمیان میں نہیں ہو رہا بلکہ یہ اللہ اور امام پاک علیہ السلام کے درمیان ہو رہا ہے۔ یعنی کہ

خودروی بانگِ انا الحق

اور یہ کہ

بہر رنگ کہ تُو رقصانیم اے یار می رقصم

جس انداز میں تو آ ہم اُسی انداز میں حاضر ہیں' یہ آپ کا احسان ہے کہ آپ اولاد کے حوالے سے آ رہے ہیں' یہ احسان ہے کہ آپ نے اولاد دی' یہی احسان ہے کہ آپ نے زندگی دی' یہی احسان ہے کہ آپ نے عزت دی' مگر آپ کی دی ہوئی اس عزت کو یہ چند آدمی نہیں مان رہے' اس عزت کو Withdraw کر رہے ہیں مگر ہم اس کو Withdraw نہیں کرتے۔ اب نتیجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے لبیک کہنی تھی مگر لبیک کی آوازیں اب اوپر سے آ رہی ہیں۔ یہ تسلیم جو ہے اب یہ سرفراز ہو رہی ہے۔ اللہ کے سارے احسان ایک ایک کر کے Withdraw ہو رہے ہیں مثلاً اولاد ہے' بچے ہیں' عزت ہے' پہچان ہے' سماج میں سلام ہے۔ لیکن یہی سماج اب سامنے تلوار لے کے کھڑا ہوا ہے۔ سماج کا آپ کو سلام ہے مگر اتنی تنہائی ہے کہ اب یہ تنہائی یکتائی کے اندر ہے اور یکتائی میں اللہ کا اپنا جلوہ ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ کریم نے خود ہی اپنا جلوہ دکھایا ورنہ تو ایسے میں انسان وہاں سے بھاگ جائے اور اولاد کے لیے معافی مانگ لے۔ مگر نہیں' اولاد بیچ میں نہیں آئی۔ اللہ کے لیے جب وقت آ گیا تو گواہی دینے والے نے وہ گواہی

اپنے بچوں کے خون سے بھی لکھی ہے تا کہ آپ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ گواہی دینے والے نے گواہی کیسے لکھی ہے اور یہ شہادت گواہی کی شہادت ہے ورنہ تو اللہ کی راہ میں لوگ شہید ہوتے رہتے ہیں۔ ہر جہاد میں جانے والا اللہ کی راہ میں شہید ہے۔ آپؑ نے یہ گواہی ہر رنگ کے جلوے کے ساتھ لکھی ہے‘ ہر انداز کے جلوے کے ساتھ لکھی ہے۔ یہ جلوہ بڑا رنگین ہے۔ اس لیے آپ اس واقعہ کو اللہ اور اللہ کے بندے کے درمیان دیکھو‘ تسلیم و رضا میں دیکھو‘ اور فرار نہ ہونے کے انداز میں دیکھو۔ پھر اِسے خطبات میں دیکھو‘ ایک ہی خطبہ تھا جو ہر چیز کو سرفراز کر گیا۔ اب اگر آپ اِس نسبت سے چلو تو پھر یہ تعلق آپ کے اندر کیا کیا رنگ دکھائے گا۔ پھر آپ خود دیکھو گے کہ آپ کے اندر کیا پیدا ہو جائے گا۔ آپ ادب سے اور عقیدت کے ساتھ چلو۔ ایک بات یہ یاد رکھ لینا کہ یہ جو سجدۂ شبیری ہے یہ الا اللہ کا ایک مقام ہے‘ ایک بڑا مقام ہے‘ وہاں اپنا گلہ نہیں ہے‘ اولاد کا گلہ نہیں ہے‘ کسی چیز کا گلہ نہیں ہے اور یہ سجدہ اتنا واحد ہے‘ اتنا توحید میں ہے اور ایسے انداز میں ہے کہ تمام چیزوں سے ہٹ کے اور تمام غم بھول کے اللہ کریم کا سجدہ ہو رہا ہے۔ اگر آپ کو یہ پتہ ہو کہ اُسی اللہ نے یہ سب میرے ساتھ کیا ہے اور پھر اسی اللہ کا سجدہ ہو تو یہ انتہا کی تسلیم ہے۔ اگر تو وہ بندے نے کیا ہے تو اللہ کا شکر یا جو سجدہ ہے وہ تو ہوتا ہے۔ انسان کہتا ہے کہ کسی بندے نے بڑا ظلم کیا ہے اور ہم آپ کا سجدہ کرتے ہیں۔ مگر یہاں پر پتہ ہے کہ اللہ نے کیا ہے اور اللہ ہی کو سجدہ ہے۔ یہاں ایک مقام دیکھو‘ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے قصیدے

کے دو شعر جو کہ اس کس مپرسی کی حالت ہے، یہ چیز جو ہے جو واقعہ بن وہ مکمل ہو چکا، واحد انسان ہیں جو باقی رہ گئے اور اس حالت میں اور زنجیر میں ہیں لیکن وہاں گِلہ نہیں کیا، کسی قسم کا گلہ نہیں کیا۔ وہاں ایک قصیدہ کہا جس کا ایک شعر ہے

ان نلت یا ریح الصبا یوماً الیٰ ارض الحرم

اے ہوا اب تو جا خراماں خراماں اور ایک پیغام لے جا ارضِ حرم میں

بلغ سلامی روضۃً فیھا النبیؐ المحترم

اور اُن کو اس روضے پہ جا کے سلام کہو، نبی محترم کو آج سلام۔

اس حالت میں سلام کہنا انہی کا کام ہے، یہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس حال میں سلام کہنا انہی کا کام ہے اور یہ انہی کا مقام ہے، اُن کے علاوہ کوئی آدمی یہ مقام طے نہیں کر سکتا۔ یہ ان کا احسان ہے کہ آپ کو یہ بات سمجھ آ جائے۔ اس حال میں جب کہ ہر حال بے حال ہو چکا ہے، پھر اس پر سلام کہنا جو اس حال میں شریک ہے، یہ ہے مقام۔ اور یہ مقام، پہچان والوں کے لیے ہے۔ سب کیا اُس نے آپ نے ہی ہے، مگر پھر بھی اس کو سلام ہے، اس کو سجدہ ہے۔ تسلیم و رضا کا یہ سجدہ دنیا کو صرف ایک دفعہ ہی نظر آیا ہے۔ اس تسلیم و رضا کا ایک حصہ جو ہے وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ایک واقعہ ہے جب باپ کو بیٹے کی قربانی کے لیے اللہ کا حکم بتایا گیا ہے۔ یہاں کسی بیٹے کو نہیں بتایا گیا، یہاں کسی کو کچھ نہیں بتایا گیا کہ کون قربانی مانگ رہا ہے۔ یہاں پہ ایک انسان خود تو محترم ہے اور ایک اور انسان کو بھی بتایا گیا مگر سب کو محترم نہیں کہا، جتنے بھی ساتھی ہیں ان کو خاموش رکھا، ان

ساتھیوں کو عقیدے کی نسبت سے قربانی ملی اور آپ کو مشاہدے کے دم سے یہ واقعہ ملا اور آپ کے مشاہدے کی گواہی ہے کہ آج میں اپنے خون سے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اللہ کے حبیب ﷺ سچے ہیں۔ یہ ایک مقام ہے جس کو آپ ہر انداز سے سوچو۔ آج اس غم کا سوچنے والے ماننے والے' اس ذات سے رجوع کریں اور کہیں کہ آپ کو اپنے اسی صبر و رضا اور تسلیم و رضا کا واسطہ ہے کہ اس انداز سے کوئی چیز عطا ہو جائے۔ تسلیم و رضا کا مطلب یہ ہے کہ جہاں بظاہر ابتلا ہو وہاں شکریہ ہو۔ عام آدمی کے لیے اسلام میں حکم ہے کہ صبر کر' مثلاً کوئی واقعہ ہو گیا تو صبر کر' اللہ تیرے ساتھ ہے' وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ان اللہ مع الصابرین۔ اور جب مقرب آئے گا وہاں صبر کا مقام نہیں ہے' وہاں شکر ہی شکر ہے۔ گویا کہ مقرب پہ ایک ایسا مقام آتا ہے کہ تقدیر بھی اور کاتبِ تقدیر بھی ساتھ ہوتے ہیں' خود مقدر ساز ہے اور خود اپنی طرف سے ہے۔ اور سب سے بڑی بات جو میں کہہ رہا تھا کہ یہ سجدۂ شبیری ہے انہی کے پاس سیف ہے' انہی کے پاس ید اللہی ہے اور انہی کے پاس ذوالفقار کی طاقت ہے۔ گویا کہ اب تمہیں ایک اور بات سمجھ آئے گی کہ طاقت اور قوت میں امام پاک علیہ السلام اس سے بڑے ہیں جو کہ مقابلے میں ہے لیکن تسلیم کا مقام ہے کہ طاقت استعمال نہیں کرنی' قوت ید اللہی استعمال نہیں کرنی۔ یہ ہے صبر و رضا کا مقام۔ صبر و رضا یہ ہے کہ انہوں نے اپنے تمام افعال اور تمام ممکنہ قواء اللہ کی ذات کے سامنے تسلیم و رضا میں رکھ دیئے' کہ یہ تلوار ہے لیکن آپ کا حکم نہیں ہے' تو یہ لیں تلوار۔ تلوار کا

معنی ہے Attack کرنے کی صلاحیت' ڈھال کا معنی ہے Defence کرنے کی صلاحیت۔ دونوں چیزیں اللہ پر نثار کردیں' If you so intend then so is my will یعنی اگر اللہ کی یہ خواہش ہے تو یہی ہماری خواہش ہے۔ گویا کہ اس مقام سے' تسلیم و رضا کے مقام سے گزرنا' اتنی خاموشی کے ساتھ اور اتنے یقین کے ساتھ گزرنا ناممکن ہے جب تک مشاہدہ نہ ہو۔ گویا کہ چلنے والا جو ہے وہ چلانے والے کے ساتھ' اُسی کے پاس چل کے جا رہا ہے جو خود چلنے والے کے ساتھ ہے اور جو اس کی اپنی منزل بھی ہے۔ گویا کہ اس سفر میں منزل جو ہوتی ہے وہ مسافر کے ہم سفر ہو جاتی ہے۔ یہ وہ سفر ہے' شہادت کا سفر ہے۔ شہادت کا سفر کون سا ہے؟ جس میں منزل جو ہے مسافر کے ہم سفر ہے۔ ہر حال میں اللہ ساتھ ہے اور مسافر جانتا ہے کہ میرے ساتھ ہے۔ گویا کہ مسافر کا جو سفر الی اللہ ہے وہ سفر مع اللہ ہے' اللہ ساتھ ہے اور اللہ کی طرف وہ رجوع کر رہا ہے۔ یہی مشاہدے کا مقام ہے اور یہی تسلیم و رضا کا مقام ہے اور یہیں سے فیض کے سارے چشمے پھوٹتے ہیں' یہیں سے ولایت کے چشمے پھوٹتے ہیں اور یہیں سے سارے مقام طے ہو جاتے ہیں' اس محبت کا فیض ہے کہ مقام مل جاتا ہے اور مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ آپ کے ذمے اتنا کام ہے کہ آپ اس کو اس انداز سے سوچو کہ فیض تسلیم کرو' ان سے رجوع کرو' ان کو محبت سے یاد کرو' ان سے فیض کا کوئی سلسلہ ہو' ان سے فیض کی خیرات فی سبیل اللہ مانگو۔ تب جا کے یہ بات سمجھ آتی ہے۔ یہ واقعہ زندگی میں بڑی دیر کے بعد سمجھ آتا ہے۔ یہ سمجھ آتا ہے کہ وہ جو

تھا، جس کے آگے ہم نے دعا کرنی تھی، اُسی نے تو وہ واقعہ پیدا کیا تھا۔ اب دعا اس کے سامنے مانگ رہے ہیں جو یہ کر رہا ہے، اُدھر دعا سنتا ہے اور اِدھر آپ کا مکان گرا جاتا ہے۔ یہ بات پہچاننے والی ہے۔ جب آپ کو یہ پتہ چل جائے کہ سب کرنے والا وہی ہے تو پھر لطف لو۔ پھر کہو کہ اگر آپ کی یہی رضا ہے تو ہماری بھی یہی رضا ہے۔ یہاں سے تسلیم شروع ہو جاتی ہے، کہ اگر تیری یہی رضا ہے تو ہماری بھی یہی رضا ہے۔ بس آپ کو یقین ہو جائے کہ اُسی کی رضا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ سمجھ آ جاتی ہے۔ پہلے آپ کو بیٹیاں دیتا ہے، پھر ان کی شادی کے مسائل پیدا کرتا ہے، پھر آپ دُعا کرتے رہتے ہو، کیا اس کو یاد نہیں؟ یاد ہے۔ اس کو مسائل کا پتہ ہے۔ بہرحال دعا مانگنا، آپ کے لیے شرعی ضرورت ہو جاتی ہے۔ اگر آپ تسلیم کے ساتھ چلو تو وہ اور سبب بنا دے گا جس طرح آپ کی ذاتی زندگی میں سبب بنے ہیں، آپ کے زمانے میں سبب بنے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے تو ہر زمانہ ایک ہی زمانہ ہے، وہ کوئی نہ کوئی سبب بنا دے گا۔ آپ خود ہی اندیشہ پیدا کرتے ہو، پہلے آپ سامان اکٹھا کرتے ہو اور پھر لازمی بات ہے کہ کوئی سامان لینے والا آ جائے گا۔ اس لیے کسی لمبے چوڑے انتظامات کی ضرورت نہیں ہے، بس اللہ کے فضل پر بھروسہ لے کے چلو .....

شہادت کا فلسفہ صرف یہی ہے کہ شہادت جو ہے اللہ کے لیے اپنے خون سے گواہی لکھنا۔ شہادت دونوں معنوں میں ہے، کہ شہید ہو جانا اور گواہی لکھ جانا۔ یعنی کہ معتبر شہادت یہ ہے۔ اور اس کا آپ کے لیے فیض ہے، کوئی لمبا بیان

نہیں ہے۔ یہ مشاہدے کا مقام ہے اور تب سمجھ آتا ہے جب مشاہدے سے آپ رجوع کرو۔ آپ کانوں کو استعمال نہ کرو، صرف نگاہوں کو استعمال کرو۔ پھر آپ کو یہ بات سمجھ آ جاتی ہے کہ یہ واقعہ ہے کیا۔ یہ بڑا عجب واقعہ ہے اور بڑی خوب صورت بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اہل فکر کے لیے اور اہلِ ذکر کے لیے غم کے وافر سامان پیدا کر دیے۔ یہ ذکر کا مقام ہے، فکر کا مقام ہے، عبادت کا مقام ہے، شہادت کا ذکر جو ہے یہ شہادت ہی کا مقام ہے، اور تسلیم و رضا کا ذکر تسلیم و رضا ہی کا مقام ہے۔ آپ کے لیے۔ تسلیم و رضا یہ ہو سکتی ہے کہ آپ تسلیم و رضا والے کو تسلیم و رضا میں مان لو۔ اور ہم کیا کر سکتے ہیں؟ گویا کہ امام پاک علیہ السلام کی کربلا تو امامؑ کی کربلا ہے، ہماری کربلا چھوٹی چھوٹی کربلائیں ہیں، کہ جہاں چھوٹا سا واقعہ ہو جائے وہاں تسلیم و رضا کر جا۔ اگر پیٹ میں درد ہے تو خاموش ہو جا، اللہ کا گلہ نہ کر۔ یہاں آپ کی کربلا کامیاب ہو گئی۔ یعنی جہاں چھوٹی سی ابتلا میں آ گیا وہاں خاموش ہو جا، اگر تکلیف میں آ گیا تو خاموش ہو جا کیونکہ تکلیف اُسی کی طرف سے آ رہی ہے، اور اس خاموشی اور تکلیف میں اللہ کی عبادت کر۔ یہ بھی ایک کربلائی مقام ہے۔ اس لیے جب آپ اپنی کربلا سے گزر رہے ہوں تو پھر شہنشاہِ کربلا کا واقعہ آپ کی نگاہوں میں ہو، اور اگر وہاں خاموش ہو جاؤ تو آپ کو فیض مل جائے گا۔ زندگی کے ہر راستے میں آپ کو کربلا ملتی ہے، کرب و بلا ملتے ہیں۔ جہاں ایسی کربلا ہو وہاں اس کربلا کا واسطہ ہے، خاموشی سے گزر جاؤ۔ پھر آپ کو تسلیم و رضا کے تمام فیوض مل جاتے ہیں۔ فیض کیا ہیں؟ اس کربلا کے

مالک سے نسبت یہ فیض ہے۔ فیض کی کوئی Definition نہیں دیتے، تسلیم کا مطلب یہ ہے کہ حرفِ آرزو نہ رہے۔ بس یہ یاد رکھنا۔ تسلیم کا مطلب کیا ہے؟ حرفِ آرزو نہ رہے اور مزاجِ آرزو بھی نہ رہے۔ بس انسان اتنا خاموش ہو جائے کہ حرفِ آرزو نہ رہے۔ اُسے کہیں کہ کیا چاہتے ہو تو وہ کہے کہ یہی چاہتا ہوں جو آپ کی مرضی ہے۔ اور اللہ اپنی مرضی کرتا جا رہا ہے۔ وہ جو کرتا جا رہا ہے اُس کو مانتے چلے جاؤ۔ بس یہی آپ کی عبادت ہے اور یہی فیض ہے۔ اس لیے جب آپ اللہ تعالیٰ کا سجدہ کرتے ہیں تو یہ کہو کہ میں نے تمام گِلے ختم کر دیے اور آرزوئیں آپ کے حوالے کر دیں، میری ضرورتیں آپ بہتر جانتے ہیں، میرے حالات آپ پر بہتر آشکار ہیں، علاج میرے بس میں نہیں، علاج بھی آپ بہتر جانتے ہیں، اور ہم آپ کے بندے ہیں، ہم پہ مہربانی فرمائیں۔ وہ خود ہی مہربانی فرماتا ہے۔ اس لیے آپ اس پہ غور کرو .....

یہ دونوں سوال اصل میں ایک ہی سوال تھے کہ ازلی شقی وہ ہے جس کو میدانِ کربلا میں نواسۂ رسولؐ نواسہ نظر نہیں آیا۔ یہ عجیب بات ہے۔ یہ ازلی بات تھی۔ اس لیے دنیا میں جتنے واقعات ہو رہے ہیں یہ ازلی ہیں۔ آپ اس کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھو۔ اگر آپ کو نماز کا موقع ملا، اگلی نماز مل گئی تو سمجھو کہ پچھلی نماز منظور ہو گئی۔ اب سجدہ کیا ہے تو پھر ایک اور سجدہ یہ کرو کہ اس نے آپ کو سجدے کا شوق عطا کیا اور جب آپ شکر کرو تو ایک شکر اور کرو کہ آپ کو شکر کرنے والا بنایا۔ اس لیے جب پانچ نمازیں قائم ہو جاتی ہیں تو فقراء شکر ادا کرنے کے لیے چھٹی

نماز کی طرف آ جاتے ہیں کہ تُو نے پانچ نمازیں عطا فرما دیں۔ گویا کہ جب وہ عطا کرے تو اس کا شکرادا کرو، وہ جو چیز عطا کرے اس کا شکرادا کرو۔ اس طرح آپ اپنی نعمتوں کو شکر کے ذریعے محفوظ بھی کرتے ہو اور ان کو بڑھاتے بھی ہو۔ اس لیے شکر کے ذریعے اپنی نعمت کو قائم رکھو پھر اللہ تعالیٰ آپ کی باقی ضروریات پوری فرمائے گا۔ جو اُس نے پہلے دیا ہے اس کا شکرادا کر یعنی اگر آپ کو ایک نظارہ برا نظر آیا، ایک آدمی آپ کو برا لگتا ہے، آپ کی آنکھیں وہ منظر دیکھ رہی ہیں جو آپ کو بُرا لگا۔ یعنی کہ آپ کی یہ جو آنکھیں منظر دیکھنے والی ہیں اس کے استعمال سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور آپ کو تکلیف ہوگئی، تو آپ آنکھیں واپس کرو۔ جب آپ آنکھیں رکھتے ہو اور اللہ کے نظاروں کا لطف نہیں لیتے اور اس کا شکرادا نہیں کرتے اور ہمیشہ گِلہ ڈھونڈتے ہو تو پھر آپ کیا کرتے رہتے ہو۔ آپ کو ذہن ملا، اگر یہ کفر کی طرف مائل ہے تو ذہن واپس کر دو، پھر یادداشت فراموش ہو جائے گی۔ آپ کو زبان ملی ہے اور یہ زبان گِلہ ہی کرتی رہتی ہے، کبھی شکر بھی نہیں کرتی اور اللہ کی تسبیح بھی بیان نہیں کرتی، اللہ کا نام نہیں لیتی ہے تو اگر آپ کی گویائی سلب ہوگئی تو آپ چیخیں مارو گے۔ اگر آپ کو چار پیسے ملے ہیں تو اُس کا حصہ اُسے دو اور اپنا حصہ اپنے پاس رکھو۔ اس طرح آپ کو نیکی کی توفیق مل جائے گی۔ اپنی اولاد کا شکریہ ادا کرو، اپنے ماحول کا شکریہ ادا کرو اور ہر حال میں اپنے ساتھ رحم کیا کرو، اپنے آپ کو مشکل میں نہ ڈالو۔ جہاں جس جگہ تکلیف ہو رہی ہے اس کے بالکل ساتھ ہی دوسرے نقطے پہ راحت ہے۔ آپ بالکل دور

نہیں کیونکہ یہیں پہ عین راحت ہے۔ یعنی جہاں آپ گلہ کر رہے ہیں وہیں شکر کا مقام ہے' جہاں آپ صبر کر رہے ہو وہیں سجدے کا مقام ہے اور صبر کو بالکل شکر بنانے کا مقام ہے۔ گھبرانے والی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ بڑے غور والی بات ہے کہ جب آپ اپنی استعداد کو دیکھتے ہیں' مثلاً ذہن ہے' اس کی ایک رسائی ہے' آپ سوچتے سوچتے ایک مقام پہ عاجز ہو جاتے ہیں۔ جہاں آپ عاجز ہو جاتے ہیں تو اس کے آگے کی Range اَن حد کی ہے۔ اگر آپ کی عقل کی حدود اَن حد تک جا کے ماؤف ہو جاتی ہے اور اَن حد سے رابطہ نہیں ہوتا تو سمجھو کہ آپ کمزور ہو گئے۔ اس لیے ذہن کو Stretch کرنے کا حکم ہے کہ اس ذہن کو ایک ایسے مقام تک لے جا جہاں پہ اس ذات کا مقام شروع ہوتا ہے اور وہاں جا کے آپ اس کو Link کرو تو آپ کی عقل جو ہے عقلِ سلیم ہو جائے گی۔ یعنی کہ زبان سے آپ اتنا سچ بولنا شروع کرو کہ اُس کی بات آپ کی زبان سے نکلنا شروع ہو جائے۔ دل کو اتنا صاف کرو' آئینہ اتنا صاف کرو کہ اس آئینے میں کبھی کبھی اس کی جھلک نظر آ جائے۔ تو آپ اپنی استعداد کو اس مقام تک لے جاؤ جہاں سے اس کی حد شروع ہو جاتی ہے اور وہاں پہ Link ملا لو۔ آپ صرف اپنی حد بتاتے رہتے ہیں اور Link نہیں ملاتے' تو یہاں سے ایک جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے' ابتلا ہوتی ہے اور یقین ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے اپنی تمام سرحدوں کو' نگاہ کی وسعتوں کو دور تک لے جاؤ تو وہ زیادہ دور تک نہیں جائے گی' آگے نہیں جائے گی۔ پھر آپ اللہ کا شکر ادا کرو اور اتنا سوچو کہ وہ کون ہے جس نے یہ حد لگا دی

ہے۔ ومن بین ایدیھم سدًا ومن خلفھم سدًا ان کے سامنے بھی دیوار ہے اوران کے پیچھے بھی دیوار ہے۔ یہ کیا ہے؟ یعنی کہ ایک تو اُن کو آگے بھی رکاوٹ نظر آ رہی ہے اور آگے کچھ نظر نہیں آتا کہ کیا ہونے والا ہے' آگے کیا چیز موجود کھڑی ہے اور پیچھے ہم کیا کیا نظارے دیکھ کے آئے ہیں۔ دونوں طرف دیواریں ہیں۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ اپنے آپ پہ غور کرو' اس آئینے میں دیکھو کہ تمہارے پاس کیا کیا نعمتیں ہیں۔ ان نعمتوں کی آپ ذرا Stretch کر کے دیکھو گے تو پھر آپ کو خیال آئے گا کہ کون ہے جو دیوار بنا ہوا ہے۔ جب آپ اس مقام پہ آؤ گے تو سادہ سا یہ جواب ملے گا کہ جو دیوار بنا رہا ہے وہی تو تجھے آنکھ دے رہا ہے۔ جب یہ سمجھ آ گئی کہ میری آنکھوں کے سامنے دیوار حائل کرنے والا کون ہے تو پتہ چلے گا کہ جس نے آنکھیں دی تھیں اس نے دیوار حائل کر دی' اب اس کا شکر ادا کر۔ پھر وہ پوچھتا ہے کہ کون ہے جس نے ہمارے ساتھ یہ واقعہ کیا' ہم اتنے طاقت ور تھے' ہمیں کم زور کرنے والا کون ہے؟ وہ کہے گا کہ جس نے طاقتیں دی ہیں اُسی نے کم زور کیا۔ اگر وہ ایک ہی ہے تو شکر ادا کر کہ وہ کبھی طاقت دے رہا ہے اور کبھی کم زوری' کبھی بینائی دے رہا ہے اور کبھی بینائی چھین رہا ہے' کبھی زندگی میں لطف دے رہا ہے اور کبھی لطف چھین رہا ہے۔ جس طرح باہر دھوپ اور سایہ ہے اسی طرح آپ کے اندر کبھی سایہ ہے اور کبھی روشنی ہے۔ آپ کے اندر ہی دھوپ چھاؤں ہے' آپ کے اندر رات دن گزرتے ہیں' کبھی بیٹھے بیٹھے خیال روشن ہو جاتا ہے اور کبھی بیٹھے بیٹھے خیال تاریک ہو جاتا ہے۔ کہتا

ہے کہ آج بڑا مغموم ہوں۔ کیا ہو گیا؟ کہتا ہے کہ سمجھ نہیں آتی۔ سمجھنے کی ضرورت ہی کوئی نہیں۔ اُس نے یہ نہیں کہا کہ آپ کو سمجھ آئے گی۔ یہ چھوٹا سا دن ہے چوبیس گھنٹے کا' اس میں روز کے کام روز کر لو۔ اگر آج صحت ذرا کم زور ہے تو اس میں گھبرانے والی کوئی بات نہیں ہے' پچھلی صحتوں کا آج شکر ادا کر۔ ابھی وقت ہے' ابھی بہت وقت ہے' آج شکر ادا کرو۔ گویا کہ جہاں حد آ جائے اور وہاں پچھلی سرحد کا شکر ادا نہ کیا جائے تو Link نہیں ملتا۔ اب میری یہ بات بڑے غور سے یاد رکھنا۔ جب حد سامنے آ جائے' آپ اتنے ذہین ہو کے بھی مسئلہ حل نہیں کر سکتے کیونکہ ایک حد آ گئی' حد آ گئی تو اپنے ذہن کی رسائیوں کا اب شکر ادا کر جو پیچھے آپ گزار آئے ہو' جس یقین سے گزار آئے ہو' اب اس کا شکر ادا کرو۔ اس طرح Link مل جائے گا اور پھر آپ اس حد سے آگے نکل جاؤ گے۔ آپ اس کے انداز سے جب سوچنا شروع کر دو گے تو پھر آپ کے مسائل حل ہو گئے۔ جب آپ اس کے انداز سے سوچنا شروع کر گئے تو سمجھو کہ آپ کے سارے مسائل حل ہو گئے۔ وہ پہلے زبان میں لکنت دیتا ہے' بڑی عجیب سی بات ہے' اور پھر بنا دیا کلیم اللہ۔ اندازہ لگاؤ کہ کیسی بات ہے۔ کسی کو آخری دم تک پتہ نہ چلا کہ یہ بچہ جو ہے یہ ساری کائنات کا مالک ہے اور اُسے یتیم پیدا فرما دیا' سماج میں تھوڑا سا نظر انداز کر کے پال لیا اور صداقت کا سب سے بڑا دعویٰ آپ ﷺ ہی کے ذریعے کر دیا۔ تو وہ ایسے کام کرتا ہے۔ جہاں تمہیں دِقت ہو رہی ہے وہیں سے راحت کا راستہ ہے۔ یہی وہ وقت ہے' کہ کبھی آپ کو پیار سے بلاتا ہے اور آپ

اس کے پاس جاتے ہو اور کبھی کبھی وہ تکلیف دیتا ہے۔ اور اس تکلیف میں فوراً اللہ کی طرف رجوع کرلیا جائے تو وہ تکلیف ہمیشہ کے لیے سعادت ہی سعادت ہے۔ خدا کا شکر ادا کرو۔ اس تکلیف کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں خدا کی طرف رجوع کرایا' شکر کرو اس غم کا جس نے آپ کو اللہ والا بنادیا' شکر کرو ان نامہربانوں کا جنہوں نے اصلی مہربان کی طرف رجوع کرادیا۔ گویا کہ اس نامہربان نے اصلی مہربان سے ملادیا۔ اس لیے اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے آپ کو اپنے مالک تک لانے کے لیے ایسے ایسے انتظام کیے۔ وہ سمجھتا ہے کہ مبتلا ہوا پڑا ہے' بڑا بیمار ہے' بڑا پریشان ہے لیکن اس پریشانی کے اندر دنیا کو ہٹا کے اپنا کام کردیا اور تمہیں اپنا ہم راز بنالیا' کبھی جگا کے مل گیا اور کبھی سُلا کے مل گیا۔ یہ اس کے اپنے کام ہیں۔ اس لیے آپ اللہ سے اپنا تعلق کبھی فراموش نہ کرنا۔ اللہ کب آپ کے ساتھ ہوتا ہے؟ جب آپ اس کے ساتھ ہوں۔ اللہ کب آپ کو یاد کرتا ہے؟ جب آپ اس کو یاد کررہے ہوں فاذکرونی اذکرکم تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا یا تم میرا ذکر اسی وقت کرو گے جب میں کر رہا ہوں گا۔ اس لیے تم اکثر ذکر کرو تو وہ اکثر ذکر کرے گا۔ مل کے محفلوں میں ذکر کرو گے تو وہ محفلوں میں کرے گا' تنہائی میں ذکر کرو گے تو وہ تنہائی میں کرے گا۔ یہ بڑی عجب سی بات ہے۔ تم اگر رجوع کرو تو تیرا اللہ کے ساتھ رجوع کرنا ہی اللہ کے ساتھ وصال ہے۔ اور تو کوئی بات ہے ہی نہیں۔ تو اللہ کیا ہے؟ تیرا خیال' تیرا حسن خیال' تیرا خیالِ حسن جو ہے تیرا اپنا ہی ہے' تُو جتنا رجوع کرتا جائے گا تیرا

اللہ اُتنا ہی تیرے ساتھ ہے

؎ خلقت کوں جیندی گول اے

ہر دم فریدؒ دے کول اے

خلقت اُسے ڈھونڈ رہی ہے اور وہ فرید کے ساتھ ہے کیونکہ فرید ہر وقت اللہ کے ساتھ ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہر وقت میرے ساتھ ہے.....

آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے فضل میں شامل رکھے اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا سائل بنائے اور دنیا کا سائل نہ بنائے اور اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا کی ضرورتوں سے آسانی سے گزار دے، یہ دنیا مشکل بازار ہے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کا محتاج نہ بنائے۔ دعا کرو کہ یا اللہ اپنا محتاج بنا، دنیا والوں کا محتاج نہ بنا، تُو نے مسائل خود ہی پیدا کیے ہیں، انہیں تو خود ہی حل کر، یہ سارے ہماری سمجھ سے باہر ہیں، اس لیے تو آپ ہی کچھ انتظام فرما اور آپ ہی رحم فرما، ایمان بھی عطا فرما اور یقین بھی عطا فرما اور جہاں یقین کی کمی ہے وہاں پہ سہولت عطا فرما اور جہاں کبھی کبھی دنیاوی ضرورتیں پریشان کرتی ہیں وہ بھی آسان فرما اور کبھی ہم نامہربانوں کے ساتھ رہتے ہیں تو ان سے مہربانی کا تعلق تُو ہی عطا فرما.....

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ ونور عرشہٖ افضل الانبیاء و المرسلین سیدنا وسندنا ومولٰنا حبیبنا وشفیعنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الرٰحمین۔
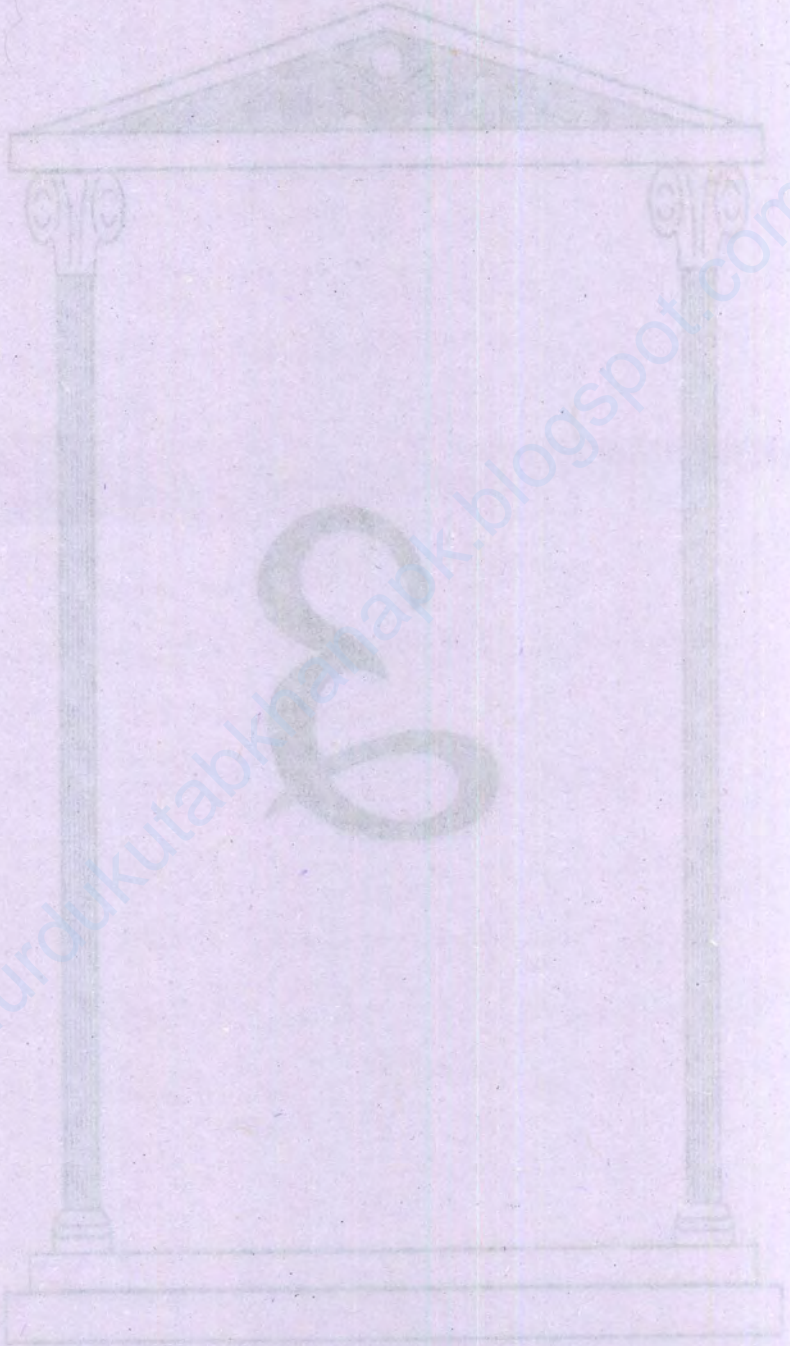
(3)

1 ایسا کیوں ہے کہ انسان کبھی بولنا چاہتا ہے اور کبھی خاموش رہنا چاہتا ہے؟

2 Concentration کے بارے میں پوچھنا تھا۔

3 فیض کیا ہے' اس کے بارے میں کچھ فرمادیں۔

سوال:

ایسا کیوں ہے کہ انسان کبھی بولنا چاہتا ہے اور کبھی خاموش رہنا چاہتا ہے؟

جواب:

اس کائنات کے ساتھ وابستگی دو ہی طریقوں سے ہے' ایک یہ ہے کہ ہم کائنات کو اپنا تعارف کرا لیں، ہم چھپا ہوا خزانہ بنیں' ہم اظہار کریں یا ہم اس کا نظارہ دیکھیں اور ظاہر اُدھر سے ہو اور ہم اُس کی پہچان کریں۔ پہچان کرنا اور پہچان کرانا دو چیزیں ہیں' دونوں بڑی اہم ہیں۔ ایک وقت ہوتا ہے جب ہم پہچان کرانے پہ آتے ہیں' یہ ہمارا حق ہے۔ داتا صاحبؒ نے ایک جگہ حق کے بارے میں لکھا ہے' فرماتے ہیں کہ ''کشف المحجوب'' لکھ رہا ہوں' ایک تو اس لیے کہ تمہارے سوالوں کے جواب مل جائیں کہ فقر کیا ہے اور دوسرا اس لیے کہ میری پہچان ہو جائے' میرا نام رہ جائے کیوں کہ یہ میرا حق ہے۔ گویا کہ آپ کا حق یہ بھی ہے کہ آپ اپنے وجود کی موجودگی کا کوئی اظہار کریں۔ آپ یہ دیکھو کہ کائنات کے اندر تمام پرندے اور چرند میں ایک آواز ہے حالانکہ وہ جو کام کرتے

ہیں خاموشی سے کرتے ہیں، شکار کرنا اور پھاڑنا۔ لیکن شیر ایک چنگھاڑ ہے اور یہ شیر کا تعارف ہے۔ شیر کا تعارف پنجہ بھی ہے، شیر کا تعارف دانت بھی ہیں، جھپٹ بھی ہے، اور اس کا ایک تعارف دھاڑنا بھی ہے۔ یہ اُس کا اظہار ہے اپنی ذات کی پہچان کا، کہ شیر دھاڑے گا، بوڑھا ہو جائے گا تب بھی دھاڑے گا۔ ایک مقام آتا ہے جب ہم اپنی پہچان کرانے پہ مجبور ہو جاتے ہیں اور یہ مقام جو ہے اس کے دو حصے ہو سکتے ہیں۔ اپنی پہچان سے پہلے، ذاتی پہچان سے پہلے، اپنے تعارف کا شوق یا تو ایک کمزور ادیب بنا دے گا یا ایک خود غرض سیاست دان بنا دے گا یا گھٹیا قسم کا امیر افسر بنا دے گا کہ خود اپنی پہچان نہیں کی ہے لیکن اپنی پہچان کرانے میں لگا ہوا ہے، تو وہ کہے گا کہ فلاں صاحب نے اپنی کتاب میں یہ کہا ہے اور اس کے اندر یہ ہے۔ اس طرح وہ کسی کا فقرہ یا کسی کی بات سنانے پر مجبور ہو جائے گا۔ یہ ہے تعارف اپنی ذات کا لیکن کسی کے حوالے سے۔ عام طور پر کمزور مرید کہتے ہیں کہ ہمارے حضرت صاحب نے یہ فرمایا ہے، ان کی یہ کرامت ہوگئی ہے، ایسا واقعہ ہو گیا ہے۔ چونکہ اُن کا اپنا تعارف نہیں ہوتا اس لیے ایک اور ذات کا تعارف کرا دیا۔ اپنی پہچان کرنے سے پہلے اپنے تعارف کی خواہش انسان کو اکثر نقصان پہنچاتی ہے۔ بہرحال یہ فطری بات ہے کہ انسان اپنا تعارف کراتا ہے اور اُس پر وہ مجبور ہے۔

اب تک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کائنات کے ساتھ ہمارا Relation دو طرح کا ہے، یا ہم اظہار چاہتے ہیں یعنی اظہارِ ذات، اسی تقلید میں

کہ ہم چھپا ہوا کوئی راز ہیں اور اس رازِ دروں کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں، اپنے جوہرِ ذاتی کو اظہار کائناتی بخشتے ہیں۔ ہے یہ جوہر ہمارا ہی لیکن ہم اسے ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ کبھی کبھی تو یہ خواہش ہوتی ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ ہم اس کائنات کے راز کو دریافت کریں، سہما ہوا انسان، خاموش، اور اتنی وسیع دنیا، عریض دنیا، تو ہم اس میں کیسے پہچان کریں۔ پھر انسان Learn کرتا ہے، نظاروں کو دیکھتا ہے، آوازوں کو سنتا ہے، لوگوں کو دیکھتا اور ان سے آہستہ آہستہ سیکھنا چاہتا ہے۔ میں اظہار کرنے کی بات کر رہا تھا، اپنی ذات کی پہچان کیے بغیر تو انسان کمزور ادیب بنے گا، کسی کا لکھا ہوا بیان کر دے گا یا پیسے کے ذریعے اظہار کرے گا یا فرعون بن جائے گا۔ اظہار تو اُس نے کرنا ہے، اب اُس میں اور صفت تو ہے نہیں، تو وہ لاٹھی دے مارے گا کیوں کہ بادشاہ ہی بھی اس کا ایک اظہار ہے گرچہ یہ ایک ظلم ہے۔ انسان جب پہچان کے بغیر اظہار کرتا ہے تو کہیں نہ کہیں اُس میں نفس پیدا ہو جاتا ہے اور وہ فیل ہو جاتا ہے اور ناکام ہو جاتا ہے۔ جنہوں نے اپنی ذات کی پہچان کی، باطن سے آشنائی کی، اُن سب نے اظہار کیا۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ دنیا کے اندر جتنا باطن ہے وہ سارا ظاہر ہوا۔ کمال تو یہ ہے کہ وہ سارا ہی باطن مگر سارا ہی ظاہر ہوا۔ فقیروں کے جتنے بھی مکاشفات ہیں حالانکہ وہ ذاتی طور پر ہیں لیکن سارے بیان ہوئے۔ باطن کی آشنائی ضرور ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ کریم کے یہ کام ہیں کہ کسی ایک دل میں جلوہ گری کر کے کائنات کے اندر وہ اظہار کرا دیتا ہے۔ یہی طریقہ رہا ہے پیغمبروں کا، ولیوں کا اور Reformers کا کہ اُن کو آشنائی ملی

اور اُنہوں نے وہ آشنائی' اظہار کر کے آگے چلائی۔ اور جب انسان سوچتا ہے تو سوچنے کے زمانے خاموشی کے زمانے ہیں۔ وہ ایسے زمانے ہیں کہ جیسے کہ انسان نہیں ہے' گونگا' سہما ہوا' آنکھیں حیرت میں ہیں' جلوؤں میں گم ہیں اور وہ کوئی راز سوچ رہا ہے۔ اسے یوں سمجھو کہ خطاب سے پہلے' دعوت سے پہلے' دعوتِ اسلام سے پہلے' دعوتِ اسلام جو ہے وہ اظہار ہے' بولنا ہے اور دعوتِ اسلام سے پہلے خاموشی کی غارِ حرا سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ خاموشی کا زمانہ ہے اور وہ حاصل کرنے کا زمانہ ہے اور وہ تعلق کا زمانہ ہے اور اظہار کا زمانہ بعد میں آئے گا۔ اور یہ ضرور ہوتا ہے۔ اس لیے اگر آپ میں خاموش رہنے کا جذبہ ہو تو پھر اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ غار میں غور کرنا۔ غار میں غور کو آپ کوئی نام دے دو' یہ غور کا زمانہ ہے اور خاموشی کا زمانہ ہے' سہما ہوا زمانہ ہے' گردوپیش سے آشنائی کا زمانہ ہے۔ یہ ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے جب آپ بولنے پہ آؤ تو حقیقت بولو اور اگر سمجھنے پہ آؤ تب بھی حقیقت سمجھو اور اگر آپ کی سمجھ حقیقت ہے تو گویائی بھی حقیقت ہو گی' اگر سمجھ کچھ اور ہے تو گویائی بھی غلط ہو جائے گی۔ اس لیے وہ لوگ قسمت والے ہیں جن کی خاموشی بھی حقیقت ہے اور جن کی گویائی بھی حقیقت ہے۔ لہٰذا اُن کا خاموش رہنا بھی حقیقت ہے اور اُن کا بولنا بھی۔ یہ تو آپ کی اپنی بات ہو گئی اور اس کو اگر اللہ کی طرف سے دیکھا جائے تو وہ جب چاہے خاموش کرا دے اور جب چاہے بلوا دے حتیٰ کہ یہ بات یہاں تک ہے کہ جب وحی نہ آئے تو پیغمبرؐ بھی نہ بولے' جب بلوانے والے نے نہیں بلوایا تو آپؐ خاموش ہو گئے' وہ اپنی

مرضی سے نہیں بولتے' جب تک انہیں بلوایا نہ جائے وہ نہیں بولتے۔ اس لیے یہ ایک زمانہ آتا ہے کہ جب وہ بلوائے تو بولو۔ اُس نے تمہیں گویائی دی ہے' گویائی کا خیال دیا ہے' اظہار دیا ہے اور اگر جرأتِ اظہار دے دے تو بولو اور بے باکی اور اظہار کرو اور اگر نہیں دیا تو آپ کسی مصلحت کی بنا پر نہ بولو' کسی ضرورت کی بناء پر نہ بولو۔ انسان سوال بھی بولتا ہے' انسان حال بھی بولتا ہے اور انسان ارشاد بھی بولتا ہے۔ اب یہ آپ کا فیصلہ ہے کہ آپ سوال بولو یا ارشاد بولو یا اپنی حالت بولو۔ جس مقام پر آپ کو حکم ملا ہے اسی مقام سے آپ بولو' اس کے علاوہ نہ بولو۔ یہ تو بولنے کی بات ہوگئی اور خاموشی کی بات یہ ہے کہ جو جلوہ دکھایا جا رہا ہے اس جلوے کو آپ دیکھو' اس سے آشنائی کرو اور سکوت سے کلام کرو اور خاموشی کی زبان سننے کی صلاحیت پیدا کرو۔ خاموشی بھی ایک آواز ہے بلکہ بڑی گہری آواز ہے' خاموشی بڑی گہری آواز ہے۔ آواز بھی ایک آواز ہے لیکن خاموشی بہت گہری آواز ہے' اس کے اندر ذکر کی آواز ہے' تسبیح کی آواز ہے۔ راتوں کی خاموشی میں زیادہ دل والے' فکر والے' غور والے اکثر نیم شب کو اُٹھتے ہیں' اس وقت خاموشی ہوتی ہے اور اس خاموشی میں وہ حقیقت کی آواز کو سن لیتے ہیں۔ اور وہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ ان کو دور کی آواز آ جایا کرتی ہے۔ اس لیے یہ ایک راز کی بات ہے کہ اگر آپ خاموشی پر آ جاؤ تو خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ بولنے میں یا خاموش رہنے میں اپنے پاس سے تکلف نہیں کرنا۔ کوشش والی خاموشی بھی صحیح نہیں ہے اور کوشش سے بولنا بھی صحیح نہیں ہے۔ آپ اپنے زمانوں

کو Learn کرو۔

یہ تو تھا اس بچے کا سوال ..... آپ اپنی کوئی بات سنائیں ..... کوئی اور سوال.....

سوال:

Concentration کے بارے میں پوچھنا تھا۔

جواب:

آج کل یہ ایک مضمون چلا ہوا ہے Concentration کا' ارتکازِ فکر' توجہ یا خیال کی طاقت یا غور کا۔ آپ کو میں جو راز بتاتا ہوں وہ سنو کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ کریم نے آپ کو یہ زندگی عطا فرمائی۔ پہلے آپ یہ دیکھو کہ اس کی جو عطا ہے آپ کے اپنے حوالے سے اس کی صفت کیا ہے۔ اللہ کریم نے آپ کو آپ کے ماننے اور آپ کے مانگنے اور آپ کے جاننے سے پہلے ایک شکل عطا فرما دی۔ آپ کو پتہ ہی نہیں کہ اس نے آپ کو کیا عطا فرما دیا۔ آپ کو ایک ماحول عطا فرما دیا' ماں باپ عطا فرما دیے اور ذہن عطا فرما دیا' آپ سوچو نہ سوچو اس میں خیالات آئے چلے جاتے ہیں۔ آپ کو آنکھ عطا فرمائی' آپ دیکھو یا نہ دیکھو' نظارے آپ کی آنکھ کے اندر ہی آتے جاتے ہیں اور آتے ہی جاتے ہیں۔ اب یہ بات اللہ تعالیٰ کے احسانوں میں سے ہے کہ آپ کو پتہ نہیں چلتا اور آپ کی زبان بولنا شروع کر دیتی ہے۔ آپ اپنے دھیان میں جا رہے ہوتے ہیں اور کہیں سے آپ کے کان میں آواز آ جائے گی۔ گویا کہ آپ کو جتنی

صفات عطا ہوئی ہیں وہ آپ کے احساس کے علاوہ عطا ہوئی ہیں۔ ابھی احساس نہیں تھا، ابھی تقاضہ نہیں تھا اور آپ کے خیال کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ چیزیں عطا فرما دیں۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا احسان۔ اس احسان کو آپ غور سے دیکھو کہ اس نے شعور بھی عطا فرمایا، فکر بھی اس نے عطا فرمائی اور آپ کے لیے دین بھی اس نے عطا فرمایا۔ یا تو دین آپ نے دریافت کیا ہو مگر آپ کے ہاں تو یہ بھی عطا کے اندر ہے۔ سارا احساس آپ کو آپ کے تقاضے کے علاوہ عطا ہوا۔ حتیٰ کہ حضور پاک ﷺ سے جو محبت ہے یہ بھی آپ نے Inherit کی اور یہ آپ کی دریافت نہیں ہے۔ تمہارا ماحول ہی ایسا تھا کہ یہ واقعہ اس انداز سے بیان ہوا، نعت میں بیان ہوا، بچپن میں بیان ہوا اور والدین سے بیان ہوا۔ اس عشق اور محبت میں آپ لوگوں کی پرورش ہوئی ہے۔ اب اس کے اندر کسی اور قسم کے خیال کا Compromise نہیں ہے۔ اللہ کے بارے میں تو سن سکتے ہیں لیکن حضور پاک ﷺ کے بارے میں مسلمان کوئی دوسرا خیال نہیں سن سکتے، ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ ساری باتیں آپ کو مفت ملیں اور آپ نے یہ Inherit کیا۔ یہ اللہ کا احسان ہے۔ اب ارتکازِ خیال آپ نے کس لیے کرنا ہے؟ یہ احسانات تو وہ کرتا ہی جا رہا ہے۔ جن لوگوں کو دین کی طرف سے کوئی احسان میسر نہ آیا ہو وہ حقیقت کے لیے توجہ کا ارتکاز کرتے ہیں، Concentration کرتے ہیں اور آپ کو تو حقیقت پیدائشی طور پر ملی ہے۔ اب اس میں توجہ کی بات نہیں بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ وہ چیز جو آپ کے پاس ہے اس میں کوئی کمی نہ آ جائے۔ مسلمانوں کو

Concentration کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ پارسیوں کو ضرورت ہے' عیسائیوں کو ضرورت ہے' آزاد خیال لوگوں کو ضرورت ہے' لامذہب لوگوں کو ضرورت ہے تاکہ Concentration سے انہیں حقیقت کا پتہ چلے اور ہمارے پاس تو حقیقت ہی حقیقت ہے' پیدائشی حقیقت ہے۔ اب ہمیں Concentration کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس سکول سے ہم پہلے ہی سرٹیفیکیٹ لے چکے ہیں۔ اب جب ساری دنیا کے مذاہب مل کر توجہ کریں گے تو اس حقیقت پر پہنچیں گے کہ اسلام ایک سچا دین ہے۔ اور یہ ہمارے پاس موجود ہے۔ میں آپ کو بالکل حقیقی بات بتا رہا ہوں۔ Concentration ان لوگوں کو اس مقام کی انتہا پہ پہنچائے گی جہاں سے آپ کی ابتداء ہو رہی ہے۔ لہٰذا آپ تو Concentration نہ کریں۔ آپ نے بالکل توجہ نہیں کرنی' غور نہیں کرنا' فکر نہیں کرنا۔ آپ کو اس لیے یہ بتا رہا ہوں کہ یہ زندگی جو آپ کو میسر ہے اس زندگی کی طرف آپ توجہ لگاؤ' یہ جو شب و روز کی زندگی ہے۔ دیکھو کہ اس میں کیا واقعات ہو رہے ہیں' کیا حالات ہو رہے ہیں۔ دین اور حقیقت کے بارے میں آپ پورا یقین کرو کہ یہی دین ہے اور یہی حقیقت ہے۔ اس پہ کسی دوسرے خیال کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ زندگی کے اندر آپ کو یہ دیکھنا چاہیے جیسا کہ اللہ کریم نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ زندگی آپ کو حاصل ہوئی' آپ پیدا ہوئے اور آپ کو مر ضرور جانا ہے۔ کبھی اس بات پر غور نہ کرنا کہ کوئی توجہ' کوئی دعا' کوئی تاثیر' کوئی ڈاکٹر' کوئی پیر کبھی موت کو ٹال سکے گا۔ اس میں جو فیض ہے وہ یہ فیض ہے کہ آپ میں موت کو

خوشی سے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے‘ ٹالنے کی بات نہ پیدا ہو۔ ٹالنے والی تو بات ہی جھوٹی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ موت کو اپنی خوشی کے ساتھ قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ یہ بات جو ہے آپ کے اندر حقیقت کی Concentration کے بعد بھی یہی بات آئے گی۔ آپ کے لیے ساری Concentration جو ہے وہ آپ کے پیغمبر ﷺ نے غارِ حرا میں مکمل کر لی۔ Concentration ہوتی ہے حقیقت کے لیے اور حقیقت آپ کے پاس کتاب کی شکل میں آ گئی ہے اور کتاب بھی ایسی جس میں کوئی شک نہیں‘ لا ریب ہے‘ زبر زیر بدل نہیں سکتے اور یہ کتاب آپ کو آپ کی Concentration سے بچانے کے لیے ہے۔ وہ جو ’’غور‘‘ والی بات ہے تو وہ اللہ کریم نے فرمایا کہ اس طرح اس کائنات میں غور کرو‘ تم یہ میلہ دیکھنے کے لیے آئے ہو‘ آنکھیں بند ہونے سے پہلے نظاروں کی قدر کر لو۔ اس سے پہلے کہ ذائقے ختم ہو جائیں اچھی خوراک کھالو اور شکر ادا کرو۔ اس دنیا کا میلہ دیکھ لو سیروا فی الارض جب تک آنکھیں ہیں سیروا کرلو‘ سیر کرو زمین میں فانظروا پس دیکھو کیف کان عاقبۃ المکذبین کہ جھوٹوں کی عاقبت کیا ہوئی۔ آپ کی عاقبت تو آگے ہے اور ان لوگوں کی عاقبت آپ کو یہاں نظر آئے گی کہ یہ وہ مقام ہے جہاں جھوٹی قومیں Rule کرتی تھیں‘ Reign کرتی تھیں اور دعوے کرتی تھیں اور یہ ان کے انجام کا مقام ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو پہنچ گئیں اور ان کی حقیقت یہی کچھ ہے۔ اللہ کریم نے بتایا کہ دنیا کی سیر کرو اور ان کے مکذبین کو دیکھو جو جھوٹ بولنے والے تھے‘

جھوٹے اعلان کرنے والوں کی عاقبت کیا ہوئی اور ان کا حشر کیا ہوا۔ اللہ کریم نے پرانی امتوں کا بیان فرمایا کہ ان پر عذاب آیا جو ان کی بداعمالی پر آیا' وہ ایک عذاب تھا' مثلاً ایک آواز تھی جو لوط علیہ السلام کی قوم کو اُڑا کے لے گئی۔ وہ ایک عذاب تھا اور عذاب کا نام آپ ایڈز کی بیماری رکھو تو یہ موجود قوموں کی وہی بیماری ہے' اُڑا کے رکھ دے گی۔ فطرت کے کسی حکم کو Violate کرنا' اس کی حکم عدولی کرنا جو ہے وہ ساری امتوں کے حوالے سے ہے اور جہاں کوئی گروہ فطرت کے قوانین کو توڑے گا تو اُس کا حشر اُسی طرح ہو گا جس طرح اُس امت کا ہوا تھا جس نے پہلے فطرت کے ان قوانین کو توڑا تھا۔ اب یہاں راز کا نکتہ یہ آ گیا کہ ہر پیغمبر ایک فطرت کی آواز ہے یعنی فطرت کے ایک اصول کا نام ایک پیغمبر ہے اور فطرت کے مکمل اور ہمہ اصولوں کا نام حضور پاک ﷺ ہے۔ یعنی کہ کوئی ایک اصول بتا رہا ہے' کوئی دوسرا اصول بتا رہا ہے' کوئی تیسرا اصول بتا رہا ہے' کوئی ایک اور بات پہ Concentrate کر رہا ہے لیکن زندگی کے تمام شعبوں پر حقیقت میں پوری Concentration یا ارتکاز ہمیں آپ ﷺ نے بتا دیا اور اِس طرح مکمل فطرت تمہارے سامنے آ گئی۔ انسان کا زمین سے اور آسمان سے کیا تعلق ہے' زمین کا آسمان سے کیا تعلق ہے' یہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرما دیا کہ انسان وہاں تک جا سکتا ہے' یہ بشر کی طاقت ہے کہ زمین سے نکلے اور آسمان کی وسعتوں تک جا پہنچے۔ یہاں پر آپ کی Lavitation کیا کرے گی اور Gravitation کیا کرے گی' تو یہ امکان بتا دیا گیا۔ حضور پاک ﷺ کے نام لیوا اُن کے دو قدم

پیچھے پیچھے چل سکتے ہیں۔

دور بیٹھا غبارِ میر اُن سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

مطلب یہ کہ یہ سب بتایا جارہا ہے۔ دشمن سے کیسے سلوک کرنا ہے؟ یہ آپ ﷺ نے کر کے دکھایا' ظالم جو ظلم کر رہا ہے اُس کے لیے بد دعا کیسے کرنی ہے؟ اُس کے لیے دعا کرو۔ اُس کے لیے یہی بد دعا ہے کہ وہ اپنا دین' ظلم والا دین چھوڑ دے۔ آپ ﷺ نے وہی دعا کی کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوتے تو ان کی اولادوں میں سے مسلمان ہوں گے۔ آپ بھی تو اولادیں ہیں' نہ ماننے والوں کی اولاد ماننے والی ہو جاتی ہے۔ اس طرح نہ ماننے والوں کی اگلی نسل ٹھیک ہو جائے گی۔ اور پھر ایسا ہوا' وہ لوگ مسلمان ہوئے۔ گویا کہ دشمن کے ساتھ کیسے سلوک کرنا ہے' شاید یہ کسی دوست کا باپ ہو' وہ دشمن تو ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ کسی دوست کا باپ ہو۔ اس لیے ان باتوں پہ غور کریں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ دشمن سے یوں Deal کرنا ہے اور دوستوں سے یوں Deal کرنا ہے۔ فطرت کے جتنے قوانین ہیں' جتنی Possibilities ہیں اور جتنے امکانات ہیں اُن کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ غریبی میں بادشاہی کیسے کرنی ہے اور بادشاہت میں غریبی کیسے کرنی ہے' سفر کیسے کرنا ہے' غلاموں سے کیا سلوک کرنا ہے' آقاؤں سے کیا سلوک کرنا ہے' سجدہ کیسے کرنا ہے' خدا کو کس انداز میں ماننا ہے اور دنیا کو کس انداز سے گزارنا ہے۔ یہ سارا بتایا گیا ہے۔ اب اس کے بعد آپ کونئی حقیقت کی

ضرورت نہیں ہے۔ سوال آپ کے ذہن میں آتا ہے اور جواب موجود ہوتا ہے۔ مثلاً سوال ہے کہ میرے پاس غریبی آ گئی ہے' تو شادی کرلو۔ پھر کہا کہ غریبی بڑھ گئی ہے' تو اور شادی کرلو۔ پھر اور غریبی آئی تو اور شادی کا حکم ہوا۔ حالات ٹھیک ہو گئے تو وہ صحابیؓ گیا اور عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ یہ فرمائیں کہ آپ نے شادی کا حکم فرمایا' تین شادیاں ہو گئیں' اب حالات بہتر ہو گئے تو یہ کیسے بہتر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے رزق میں کسی خوش نصیب کو شامل کرلو تو تیرا رزق بڑھ جائے گا۔ تیرا رزق اگر نہیں بڑھ رہا ہے تو اُسے شامل کر۔ اسی طرح اگر اولاد ہو جائے' کوئی بچہ آ جائے تو رزق پھیل جاتا ہے' کوئی اچھا مہمان آ جائے تو رزق پھیل جاتا ہے۔ رزق کی بات عجیب ہے کہ جہاں آج کی دنیا میں رزق کے امکانات زیادہ ہوئے' مارکیٹ زیادہ ہوگئی' مارکیٹ کی Definition وسیع ہوگئی' پھیلاؤ آ گیا' ہر طرف رزق کا پھیلاؤ بہت ہو گیا' وہاں غریبی کا اندیشہ بہت ہوتا ہے۔ جہاں علم کی کثرت ہو وہاں جہالت بہت زیادہ ہوتی ہے بلکہ جہالت بادشاہی کرتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ اندازہ لگاؤ کہ جس چیز کی آپ کو کثرت نظر آ رہی ہے اُسی کی کمی ہے' مسجدیں زیادہ ہیں اور عبادت کی کمی ہے' اسلام کی آوازیں زیادہ ہیں اور اسلام کو ماننے کی کمی ہے' مارکیٹ زیادہ ہے اور غریبی بڑھ گئی ہے' پیسہ بہت زیادہ ہے اور لوگوں کی زندگی تلخ ہوگئی ہے' پیسہ زیادہ ہے اور لوگ محتاج ہو گئے ہیں' اس طرح آپ کبھی غور کرو تو یہ ایک عجیب و غریب سلسلہ ہے جو آپ کو نظر آئے گا' کہ جس چیز کی بہتات ہے' اُسی کی کمی ہے۔ کسی

نے کسی سے پوچھا کہ آج کل کے زمانے میں تنہائی تلاش کرتا ہوں لیکن نہیں مل رہی۔ اُس نے کہا کہ یہ کون سی بات ہے، ہم آپ کو تنہائی تلاش کرنے کا ایک نسخہ بتاتے ہیں۔ اُس نے پوچھا تنہائی کہاں ملے گی تو بولا کہ بھیڑ میں چلے جاؤ تو تنہائی مل جائے گی، ہر کوئی اپنے اپنے کام میں لگا ہوگا اور تمہیں کوئی پوچھے گا ہی نہیں۔ اس طرح تنہائی مل جائے گی۔ یعنی جلوس میں چلے جاؤ تو کسی کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کدھر جا رہے ہیں، آپ اکیلے سفر کرتے ہو۔ بھیڑ میں چلے جاؤ تو کوئی نہیں پوچھے گا۔ گویا کہ جہاں زیادہ جمِ غفیر ہو وہاں ہر آدمی تنہا ہوتا ہے۔ یہ بالکل برعکس ہے۔ جہاں بھیڑ زیادہ ہے وہاں تنہائی زیادہ ہوگی۔ اسی طرح جہاں پیسہ زیادہ ہوگا وہاں غریبی زیادہ ہوگی، جہاں امکانات بڑھے ہیں وہاں امکانات معدوم ہوئے ہیں، جہاں انسان خوشی کا اظہار کر رہا ہے وہاں انسان زیادہ غم میں مبتلا ہے۔ آج کل جتنی زیادہ ہنسی آتی ہے اتنا زیادہ رونا آتا ہے۔ آج کل زندگی کو جتنا زیادہ Defence ملا، پناہ ملی، زندگی کو بچانے کے امکانات ملے، زندگی کو ڈاکٹری ایڈ ملی، میڈیکل ایڈ ملی، زندگی اُتنی ہی تباہ ہو رہی ہے۔ سائنس نے سب سے بڑا احسان کیا کہ زندگی کو بچایا اور اگر کوئی زندگی کو تباہ کر رہا ہے تو وہ سائنس ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب انسان فطرت کے اندر دخل دے گا تو وہ چیز جو اس کا Aim ہوگی اُس کے برعکس جا نکلے گا۔ اگر آپ فطرت کے قوانین میں دخل دو گے تو جس نام سے دخل دو گے اس کے برعکس جاؤ گے اور جب اللہ آپ کو دخل دلائے تو وہ اور بات ہے۔ خود دخل دو تو یہ اور بات

ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس زندگی کا آپ کو بتایا گیا کہ آپ نے کوئی حقیقت دریافت نہیں کرنی، صرف زندگی کی حقیقت کو سمجھو جو کہ موجود ہے اور اس کے امکانات کو سمجھو۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرٰت وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون یعنی کہ یہ ابتلا ہر ایک کے اوپر آئے گی۔ کیا کیا آئے گی؟ سب سے پہلے خوف آئے گا۔ اب یہ آپ کو خبر دی جا رہی ہے کہ خوف آئے گا، تو زندگی سے خوف دور کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ خوف کی وجہ سے انفرادی سیکورٹی اور اجتماعی سیکورٹی کے اندر انسان Insecure ہو گیا۔ خوف آ گیا اور پھر خوف سے نکلنے کی کوشش میں سے خوف آ گیا۔ خوف کے بعد بھوک ہے۔ اب اندازہ لگاؤ، بیسیوں، اکیسویں صدی آ گئی، پندرھویں صدی آ گئی، ایڈوانس زمانہ آ گیا، ہر چیز کی کمیونی کیشن بہت تیز ہے، ٹرانسفر بہت تیز ہے اور آج ہی آپ نے بتایا، اخباروں میں بتایا گیا کہ کسی علاقے میں قحط آیا پڑا ہے۔ کیا یہ اس زمانے میں ممکن ہے؟ اتنی ڈیویلپمنٹ کے زمانے میں ممکن ہے؟ اور قحط بھی ایسا کہ آپ کے سامنے ٹی وی کے اندر لوگ مرتے چلے جا رہے ہیں۔ آج کے زمانے میں جہاں ہر طرف Plenty ہے وہاں ہر طرف Poverty بھی نظر آئے گی۔ الجوع کا آنا یعنی بھوک کا آنا اور اس Fertile علاقے میں آنا عجب بات ہے۔ ونقص من الاموال اور اموال کا ضائع ہونا۔ روز ہی آپ کو نظر آ رہا ہے، ہر روز نظر آ رہا ہے، کوئی اِدھر غائب

ہو رہا ہے، کہیں مال کم ہو رہا ہے۔ والانفس اور زندگی اور موت، آپ کے نفس کا ختم ہونا والثمرٰت اور پکے ہوئے پھل کا ضائع ہونا۔ آپ کو یہ خبر دی جا رہی ہے وبشر الصابرین اور جو صبر کرنے والے ہیں اذا اصابتھم مصیبۃ جب مصیبت آتی ہے۔ گویا کہ یہ اللہ کا ارشاد ہے اور اللہ جانتا ہے کہ یہ مصیبتیں ہیں اور بھیجنے والا خود آپ ہے۔ پھر وہ لوگ یہ کہتے ہیں ہم اللہ کے ہیں اور اللہ کے پاس جانے والے ہیں، ان باتوں سے ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔ یعنی کہ کوئی زندہ ہو گیا یا کوئی مر گیا تو اس سے ہمیں کیا فرق پڑتا ہے، ہم خود ہی آ رہے ہیں۔ ایک بیٹا اپنے باپ کی موت پر بہت چلا رہا تھا تو گرو کہنے لگا کہ روتا کیوں ہے، گھبراتا کیوں ہے، تو بھی ان کے پاس پہنچ جائے گا، دو چار دن کی بات ہے، اس میں اتنا گھبرانے والی کیا بات ہے، آخر تو پہنچ ہی جاؤ گے۔ گویا کہ اس میں گھبرانے والی کوئی بات نہیں ہے۔ اسی طرح غریبی کی کوئی بات نہیں، بھوک کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ جو صبر کر گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کی طرف سے ہیں تو ان صبر والوں کا مقام بیان ہو گیا۔ گویا کہ اس Cultured اور مہذب زندگی میں اندازہ لگاؤ کہ یہ چیز آ کے رہے گی اور آپ نے دیکھا کہ وہ آتی ہے۔ اس Developed زمانے میں یہ واقعہ دیکھا۔ آپ کو غور کرنا چاہیے کہ آپ جو زندگی کو حاصل کر رہے ہو اس کا کہتے ہو کہ ہم کیسے چھوڑیں یہ مہذب زندگی جو ہم نے بنائی ہے، یہ زمانہ ہے اور یہ ہمارا تعارف ہے۔ اندازہ لگا لو کہ اگر آپ نے ساٹھ سال میں، گرچہ ساٹھ سال تو نہیں ہوتے، زیادہ سے زیادہ دس سال کی

بہار ہوتی ہے جس میں اپنی زندگی کو آسائش میں رکھنا ہوتا ہے اور مکانوں کی آرائش کرنا دس بارہ سال کا کھیل ہوتا ہے کہ ہم نے یہ بنایا ہے۔ ان دس سالوں کے اندر چیزوں کا خریدنا' چیزوں کا سیٹ کرنا' بنانا سنوارنا اور سجانا' جو آپ روز کرتے رہتے ہو۔ دس سال میں سے پانچ سال آپ اس آرائش سے باہر ہوتے ہو۔ یعنی کہ آپ ہر روز آدھا دن تو سو ہی جاتے ہو اور پھر اس کو چھوڑ گئے۔ نیند میں آپ کا آرائش کا حاصل جو ہے یہ بیکار گیا۔ آپ کہتے ہیں کہ ہم یہ ضرور لیں گے' وی سی آر لیں گے' ٹی وی لیں گے اور آپ کے دس گھنٹے سونے کی نذر ہو گئے۔ آپ نے اس میں [illegible] نہیں دیا۔ گویا کہ آپ اس کو نیند کے وقت چھوڑ گئے۔ پھر ایک دن غم آ گیا [illegible]ن میں تکلیف آ گئی اور آپ کو کہیں کہ آج وی سی آر دیکھنا ہے تو آپ کہیں گے کہ نہیں' تکلیف آ گئی ہے۔ تکلیف میں بھی آپ وہ زندگی چھوڑ جاتے ہو۔ یہ Civilized Life کا بتا رہا ہوں۔ آپ یہ سب نیندیں چھوڑ گئے' غم میں چھوڑ گئے اور خوشی میں چھوڑ گئے۔ آپ کے دوست کی شادی ہے اور آپ کہیں دور کے علاقے میں چلے جائیں گے اور گھر چھوڑ گئے۔ آپ یہ سب چیزیں غم میں چھوڑ گئے' خوشی میں چھوڑ گئے' نیند میں چھوڑ گئے اور اپنی کسی اور خواہش کے وقت چھوڑ گئے' کبھی سفر کی خواہش ہو گئی' کوئی اور خواہش ہو گئی۔ پھر آپ نے یہ جو آرائش پہ وقت لگایا اس کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے زندگی میں یہ پہچاننا ہے کہ آپ کیا کر رہے ہیں اور اگر آپ نے بنانا ہی ہے تو اتنا بنایا جائے کہ چھوڑتے وقت تکلیف نہ ہو۔ زندگی کو سمجھ جاؤ۔ Concentration کہاں

کرنی ہے؟ یہاں پر کہ ہم نے کیا کیا اور ہم نے کیا کرنا ہے اور کیا بنا کے ہم نے کہاں کو جانا ہے' جہاں جانا ہے اس کے لیے بھی کوئی اہتمام کر کے جانا ہے۔ اس کا آسان سا طریقہ ہے کہ یہیں زندگی میں اس کا کوئی اہتمام کر کے جاؤ' تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ توجہ اور Concentration پہ اگر آپ غور کریں تو آپ کے پاس اس کا نتیجہ موجود ہے۔ آپ یہ کریں کہ یہ جو لالچ ہے' کینہ ہے اور غصہ ہے اس کو نکالو۔ اس طرح کی بے شمار بیماریاں ہیں۔ ان کو نکالو۔ آپ کی زندگی سے غصہ ہی نہیں نکلتا' اس کو نکالو۔ آپ دیکھو کہ سرکار ﷺ کو زندگی میں بہت کم غصہ آیا۔ اور پھر لکھنے والے کہتے ہیں' جو کہ حضور پاک ﷺ کی احادیث لکھتے تھے' کہ آپ ﷺ جو چیز فرماتے ہیں وہ ہم لکھ لیا کرتے ہیں' کبھی کبھی کافروں کا جب وقت ہوتا ہے تو آپؐ کی طبیعت تھوڑی سی تیز ہوتی ہے' اس وقت بھی آپؐ جو فرمائیں کیا وہ وحی ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت بھی تم لکھ لیا کرو کیونکہ میں اس وقت بھی سچ بولتا ہوں۔ جب تک تم لوگ غصے میں سچ بولنے کی عادت نہ ڈالو تو غصہ تمہیں گمراہ کر دے گا۔ اور غصے میں سچ بولنا بڑا مشکل ہے کیونکہ غصے میں انسان صرف جذبات بولتا ہے اور سچ نہیں بولتا۔ مقصد یہ کہ اپنے آپ کو اس طرح کی ٹریننگ دو' ان حالات میں سے گزرو کہ کیا کرنا ہے۔ آپ کی پوری زندگی' پوری الٰہیات' گھر کے چار افراد میں گم ہو جاتی ہے۔ زندگی کا سارا واقعہ ہے اپنی زندگی' ماں باپ کی زندگی' اولاد کی زندگی اور زیادہ سے زیادہ دو چار دوست کہ ان کے ہاں ہم چلے گئے اور کبھی وہ ہمارے ہاں آ گئے۔ That's all۔ یہی کچھ زندگی

ہے۔اس کے علاوہ آپ کی وابستگی دور تک تو ہے ہی نہیں' کہ آپ نے کسی بادشاہ کو خط لکھنا ہو یا کسی اور بادشاہ نے ہمیں جواب دینا ہو۔اس لیے اپنی زندگی' ماں باپ کی زندگی' اولاد کی زندگی' دوست کبھی آیا اور کبھی ہم چلے گئے۔

کبھی بلا کے کبھی پاس جا کے دیکھ لیا

بس اتنی ساری کہانی ہے اور اس کے اندر پورا احساس Develop ہونا ہے۔اس میں تنہائی بھی ہے' محفل بھی ہے' قرآن پاک بھی ہے' حدیث بھی ہے' نماز بھی ہے' عبادت بھی ہے' دین بھی ہے اور دنیا بھی ہے۔اپنے اس سیٹ پہ اگر آپ پوری طرح غور کریں تو اسی کے اندر ایمان داری بھی پیدا ہو جائے گی اور بے ایمانی بھی پیدا ہو جائے گی۔اگر آپ نے کسی کو دھوکا دینا ہے تو امریکہ کے کسی آدمی کو دھوکا نہیں دیں گے بلکہ پاس والے کو دے جائیں گے اور ساتھ والے آدمی سے نیکی کر جائیں گے۔گویا کہ نیکی بھی قریب ہے اور بدی بھی قریب ہے۔اس لیے یہ دیکھو کہ آپ کی وابستگیوں کا جو دائرہ ہے اس کے اندر آپ کی زندگی اگر Ideal نہ ہو تو کم از کم Real ضرور ہو۔آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ یعنی کہ مصنوعی زندگی بالکل نہ ہو' اول تو زندگی مثالی ہو اور اگر مثالی نہ ہو تو حقیقی تو ہو' اور مصنوعی بالکل نہ ہو۔اس کا ضرور خیال رکھو۔زندگی کو سمجھنا ہے اور دین کو سمجھنا ہے کہ اللہ کو ہم نے مان لیا' اب جاننے کی ضرورت کیا ہے۔اگر جاننے کی کوشش کرو گے تو بڑے Confuse ہو جاؤ گے۔اتنی سی مسجد ہے اور اندر جو نماز پڑھ رہا ہے وہ کہتا ہے کہ میں اللہ کے سامنے ہوں اور مسجد کے باہر جو دوکان دار

ہے وہاں اللہ نہیں ہے، اللہ صرف اندر ہے۔ اس پہ غور کرو۔ بات کیسے سمجھ آئے گی۔ اب یہ بات سمجھ نہیں آسکتی ہے کہ آپ کی زندگی عبادت میں اللہ کے قریب اور ہے اور عبادت کے تھوڑی دیر بعد آپ اور طرح سے Deal کرتے ہو۔ پھر یہ آپ کو کیسے سمجھ آئے گا۔ آپ اللہ کو مان لو اور ماننے کے بعد جیسے اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا ویسے کرنے کی کوشش کرو۔ اور آپ کو میں عملی نسخہ بتا رہا ہوں کہ کوئی سا ایک کام، کوئی سی ایک عادت ایسی اختیار کرو جو حضور پاک ﷺ کی اطاعت میں شروع کرو، کہ میں یہ کام شروع کر رہا ہوں حضور پاک ﷺ کی اطاعت میں، اور کوئی ایک عادت ترک کر دو کہ حضور پاک ﷺ کے حکم کی وجہ سے میں یہ عادت ترک کر رہا ہوں۔ لو آپ کا سارا مسئلہ حل ہو گیا۔ یعنی کہ زندگی میں کوئی ایسا عمل رائج کرو جس عمل کی نسبت حضور پاک ﷺ کی ذات سے ہو۔ عمل تمہارا اور نسبت حضور پاک ﷺ سے۔ پھر کوئی پوچھے کہ آپ یہ کام کیوں کر رہے ہو تو کہو کہ میں نے سنا ہے کہ یہ حدیث شریف ہے، ایسی بات میں نے سنی ہے، لہٰذا میں یہ کام ایسے ہی کروں گا۔ کوئی کام آپؐ کے نام سے منسوب کرتا ہوا شروع کر دیا جائے تو الٰہیات کا پورا سفر محفوظ ہے۔ کوئی سی عادت ترک کر دی جائے کہ حضور پاک ﷺ کو یہ عادت ناپسند ہے تو آپ کا الٰہیات کا سفر مکمل ہو گیا۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ اس لیے اپنے طور پر فیصلہ کرتے ہوئے ایک عادت اور صفت دریافت کر لو جو آپ نے چھوڑنی ہو یا جو آپ نے اختیار کرنی ہو۔ یعنی ایک کام شروع کر دو حضور پاک ﷺ کی وجہ سے اور دوسرا کام ترک کر دو سرکار کی

وجہ سے۔ پھر آپ کو پورے کا پورا فیض سمجھ آ جائے گا کہ فیض کیا ہے۔ اللہ کریم کو آپ نے دریافت نہیں کرنا۔ اللہ آپ کی دریافت نہیں ہے۔ یہ حضور پاک ﷺ جانیں اور اللہ جانے' ہمیں جو حکم ہے وہ ہم کرتے جا رہے ہیں' نماز پڑھتے جا رہے ہیں۔ عبادت کا کیا فائدہ؟ ہمیں اس کا فائدہ پتہ نہیں ہے' ہمیں یہ پتہ ہے کہ یہ عبادت ہے۔ بس عبادت جو ہے وہ عبادت ہی ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ اس کو ہم نے جاننا ہے۔ باقی یہ کہ مریخ پر زندگی ہے یا نہیں ہے' کیا پتہ کب وہ زندگی نکلے اور کب نہ نکلے۔ کیا پتہ جمہوریت کب آئے اور کب نہ آئے' ہم جمہوریت کے انتظار میں باہر بیٹھ کے اپنی دوکان بھی ضائع کر بیٹھے' دوکان بھی خراب ہوگئی۔ اس لیے آپ اپنی دوکان کو ابھی یہ سمجھو کہ یہی مقدر ہے جو ہے۔ جمہوریت کا سفر ہوگا کہ نہیں ہوگا' مارشل لاء لگا رہے گا کہ نہیں لگا رہے گا پتہ نہیں کیا ہوگا' اور اس دوران آپ کی زندگی پتہ نہیں کہ کیا ہو جائے۔ یہ ضروری ہے کہ اپنی زندگی کا یہ فیصلہ کر لو کہ ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں' اُس کو جانتے نہیں ہیں مانتے ہیں' اور حضور پاک ﷺ کی کسی صفت کے تابع ہم اپنا عمل شروع کرنا چاہتے ہیں' اور دنیا کے اندر کسی انسان کو ہم حضور پاک ﷺ کے برابر نہیں مان سکتے' یہ شرک ہے اور یہ کفر ہے۔ یہ ہم نہیں مان سکتے۔ جس بات کا حوالہ آ جائے کہ یہ سرکار ﷺ کی بات ہے تو یہ فائنل ہے۔ وہاں ہم جذباتی ہیں۔ باقی رہی زندگی تو اس میں ہم نے کچھ حاصل کرنا ہے اور جو حاصل کرنا ہے اس میں سے کچھ ہم نے کسی اور کو دے دینا ہے۔ اللہ کا حصہ اللہ کو دے دیا' ماں باپ کا حصہ ماں باپ کو

دے دیا' اولاد کا حصہ اولاد کو دے دیا اور پھر خالی ہاتھ اللہ کے پاس چلے جانا ہے۔ خالی ہاتھ آئے اور خالی ہاتھ چلے گئے۔ آپ دیکھو کہ آپ نے اس میں کرنا ہی کیا ہے۔ آپ کی ساری کمائی جو ہے وہ اولاد کھا جائے گی یا ماں باپ کے استعمال میں آئے گی۔ کچھ بچا ہوا فقیروں کو یا غریبوں کو عطا کر دو اور اپنے محسنوں کی خدمت کر دو' کسی کو کچھ دے دو اور کسی کو کچھ اور دے دو۔ پھر یہاں کا سفر مکمل ہو گیا۔ اگر یہاں سے کوئی چیز لے جا سکتے تو ہم آپ کو ایک ایسا مقبرہ بنا دیتے جس میں فرعون کی وصیت کے مطابق دولت رکھ دی جاتی۔ ہمارے ہاں ایسا ہے ہی نہیں' ہمارے ہاں میت کا نام بھی ختم کر دیتے ہیں' انگوٹھیاں بھی اُتار لیتے ہیں لوگ' آرام سے خالی ہاتھ جاؤ اور لطف کی زندگی بسر کرو۔ اس لیے کوئی گھبراہٹ والی بات نہیں ہے۔ ہماری زندگی بہت سادہ زندگی ہے اگر ہم اس میں سے بہت سے لوازمات نکال دیں کیونکہ یہ عارضی لوازمات ہیں۔ ہمیں کوئی Concentration نہیں چاہیے۔ Concentration یہ ہے کہ جب سونے لگ جاؤ' نیند آ رہی ہے تو یہ سمجھو کہ یہی عبادت ہے اور جب جاگو تو جاگنا عبادت ہے' جب نماز پڑھو تو نماز عبادت ہے اور نماز سے باہر آؤ تو یہ عبادت ہے' گاہکوں سے اچھا Deal کر رہے ہو تو یہ عبادت ہے' آپ جو کام کر رہے ہیں وہ پوری عبادت ہے۔ آپ کی زندگی سے عبادت کے واقعات نکالے جائیں گے تاکہ وزن کیا جائے اور اگر زندگی ساری عبادت میں نکلی تو پھر وزن کیا کرنا ہے۔ ہم جو کام کر رہے ہیں وہ عبادت سمجھ کے کر رہے ہیں اور عبادت جو ہے ہر طرح سے عبادت ہے' تو پھر

دِقّت کیا ہے۔اس لیے ہم زندگی کو برداشت کرتے ہیں' جبر کو برداشت کرتے ہیں' غریبی کو برداشت کرتے ہیں' کبھی دولت ہو تو وہ بھی ہم برداشت کر جاتے ہیں۔ہم سب کچھ اللہ کا حکم سمجھ کے برداشت کر جاتے ہیں' یہی زندگی ہے اور یہی بندگی ہے۔آپ بات سمجھ رہے ہیں ناں؟ یہ کوئی دِقّت والی بات نہیں ہے۔اولاد میں اگر بیٹی ملی ہے تو سبحان اللہ کہ بیٹی ملی ہے۔اب اگر بیٹی جو ہے یہ حقیقت ہے تو پھر یہی حقیقت ہے۔اگر بیٹا مل جاتا تو وہ حقیقت ہے' تو وہی حقیقت ہے۔اس لیے گھبرانے والی کوئی بات نہیں ہے۔جو اُدھر سے آ رہا ہے وہ حقیقت ہے اور آپ کی طرف سے جو بھی ہونا ہے اُس کو پہچان کے کرو' فطرت کے معاملات میں اپنے پاس سے کوئی دخل نہ دینا۔پھر آپ کو بہت باتیں سمجھ آئیں گی۔جو آپ کے لگائے ہوئے گلاب ہیں وہ ایک کہانی ہے اور فطرت نے جو گلاب کھلائے ہیں وہ دوسری کہانی ہے۔پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ بات کیا ہے۔

Concentration جو ہے اُس پہ کرو جو موجود ہے' اپنی ذات پہ کرو' اپنی اکائی پر کرو' اپنی توحید دریافت کرو' اپنی وحدت فکر دریافت کرو اور یہ دریافت کرنا بہت ضروری ہے کہ اللہ کریم کا کیا منشاء ہے۔اللہ کریم کا منشاء یہ ہے کہ آپ خوش رہو اور زندگی سے گلہ نکال دو' شکوہ نکال دو۔زندگی کا مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ کوئی تکلیف دیتا ہے تو بسم اللہ اور اگر تکلیف دور کر دیتا ہے تو الحمد للہ۔یعنی کہ جو چیز اُدھر سے آ رہی ہے وہ آپ نے قبول کرنی ہے اور گلہ نہیں کرنا۔پھر آپ دیکھنا کہ یہ زندگی پوری عبادت ہے۔اپنے آپ سے آپ نکال دیا جائے تو اپنا آپ تُو بن

جاتا ہے۔ یہ راز ہے۔ مَیں سے مَیں نے مَیں نکالا تو مَیں میں تُو رہ گیا۔ اب مَیں نکال دو تو تُو رہ گیا۔ اس لیے اتنی سی بات ہے' Concentration اس لیے کرنی ہے کہ میرے اندر جو میری خواہشات ہیں ان کو اگر نکالا جائے تو میرے اندر اُس کی خواہشات کیا ہیں؟ بس یہ حقیقت ہے اور یہی حقیقت ہے۔ میرے اندر میری خواہشات غلط ہو سکتی ہیں اور اُس کا جو ارادہ میرے لیے ہے وہ حقیقت ہے اور یہی عبادت ہے۔ اس لیے اپنی زندگی میں اُس کی حقیقت اور اُس کا ارادہ دریافت کرو۔ تو مَیں میں تُو کو دریافت کرنا حقیقت ہے اور مَیں سے مَیں کا دریافت کرنا جو ہے یہ غلطی ہو سکتی ہے۔ مَیں میں جو مَیں ہے' مَیں میں جو وہ ہے' اُس کو دریافت کرو کہ اُس میں کیا ہے۔ یہ دریافت کرو کہ آنسو جو آنکھ سے نکلتا ہے وہ کدھر سے چلا ہے' یہ دریافت کر کے دیکھ کہ وہ آیا کدھر سے ہے' دور سے آیا' قریب سے آیا' یہ کیا ہے؟ اور غم کدھر سے آیا' خوشی کدھر سے آئی' عبادت کہاں سے آ رہی ہے' روح کدھر سے آ رہی ہے' اللہ کی یاد کہاں سے آ گئی' اُسے دیکھا نہیں ہے تو یاد کیسے کرتے ہو اُس کو' جس چیز کو دیکھا ہوا ہو تو وہ یاد آتی ہے اور دیکھے بغیر یہ یاد کیسے ہے اور سرکار ﷺ سے محبت ہے' دیکھے بغیر محبت ہے۔ اَن دیکھے کی محبت لاجواب محبت ہے اور یہ حقیقی محبت ہے اور عجب محبت ہے اور یہ ہے! یہ ایسے ہی بات نہیں بلکہ یہ ہے! تم نے اُنہیں نہیں دیکھا لیکن وہ تو تمہیں دیکھ رہے ہیں' وہی محبت عطا کر رہے ہیں اور یہی اِک راز ہے۔ اصل راز صرف اتنا ہے کہ تمہارے دل میں عشق نبی ﷺ پیدا ہو جائے تو یہ سمجھو کہ وہ خود ہی

دے گئے ہیں اور جو خود دے گئے ہیں سمجھو کہ کہیں نہ کہیں وہ واقعہ کر گئے ہیں۔ یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ جب یہ ہو گیا تو سمجھو کہ کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ واقعہ ہو گیا اور وہ واقعہ جو ہے' آپ کی داستان کوئی اور سنا کے چلا گیا' بات ہی ختم ہو گئی۔ اب اس میں دِقّت والی کیا بات رہ گئی۔ سارا راز ہی اتنا ہے۔ ورنہ آپ کو تو دیکھی ہوئی چیزیں بھی یاد نہیں رہتیں' دیکھے ہوئے نظارے یاد نہیں رہتے' تو بن دیکھے کی یاد کیسے یاد ہے۔ یہ کوئی دے گیا ہے اور جو دے گیا ہے وہ خود ہی دے گیا ہے' جو خود ہی دے گیا ہے تو اُس نے چُن لیا ہے' تو آپ چنے ہوئے لوگ ہو۔ اب کیا جھگڑا ہے۔ اب شکر ادا کرو' بس یہی عبادت کافی ہے۔ اور چننے والا جب چن لیتا ہے تو پھر وہ چھوڑتا نہیں ہے۔ وہ تو کافروں کے لیے دعا کرنا نہیں چھوڑتا تو تمہیں کیسے چھوڑے گا۔ اس لیے یہ بڑی مبارک بات ہے' بڑی حقیقی بات ہے۔ تم مت گھبراؤ' تم نے کچھ نہیں کرنا' صرف شکر ادا کرتے جاؤ کہ

یہ تیری عنایت ہے کہ رُخ تیرا اِدھر ہے

تمہارے رُخ ہونے کی ضرورت ہی نہیں ہے' تم کیا رُخ کرو گے' تم ہو کس شمار میں۔ اس لیے اُن کی اپنی مہربانی ہے' وہ خود ہی عطا کر رہے ہیں۔ تمہیں اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ یہ اُن کی مہربانی ہے۔ آپ کو بات سمجھ آ رہی ہے؟ زیادہ سے زیادہ باوضو رہنے کی کوشش کرو اور زبان کو صاف رکھا جائے اور تمہارے سامنے سرکار ﷺ کی تمام صفات بیان ہوتی رہی ہیں' اُن میں سے کوئی صفت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اللہ کریم اس بات پہ خوش ہوتے ہیں کہ تم درود شریف

بھیجو۔ آپ یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کے سامنے کیسے اتنی بڑی Commitment کردی۔ مقصد یہ کہ مخلوق تو ساری برابر کی ہے، کچھ اسلام کو مانتی ہے اور کچھ نہیں مانتی اور اُس نے اللہ ہوتے ہوئے اور خالق ہوتے ہوئے اتنا بڑا بیان دے دیا کہ میں اور میرے فرشتے درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والوتم بھی بھیجو۔ اللہ نے ساری دنیا کے لیے یہ اعلان کیا ہے، اللہ اس معاملے میں Biased ہے کہ اللہ کریم ایک نبی ﷺ پر درود بھیج رہا ہے، اُس نے سارے پیغمبروں کے بارے میں وقتاً فوقتاً سلام'' علیٰ لکھا مثلاً سلام علیٰ نوح اور یہ کہ سلام'' علیٰ ابراھیم اور ایمان والوں پر بھی سلامتی۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کے لیے کتنی آسان بات ہے کہ اللہ Committed ہے Non-believers کی موجودگی میں اور آپ لوگ Believers کی موجودگی میں Committed نہیں ہو۔ یہ راز سمجھ آیا؟ تو اللہ Non-believers کی موجودگی میں Committed ہے کہ میں حضور پاک ﷺ پہ درود بھیجتا ہوں اور آپ لوگ Believers کی موجودگی میں یہ Commitment کرتے ہوئے ڈرتے ہو، سارے مسلمان ہیں اور آپ اُن میں درود شریف سے گریزاں ہو۔ کیوں گریزاں ہو؟ اللہ یہ بیان کرتا ہے حالانکہ اُس کی یہ صفت یوں نہیں ہوسکتی لیکن اُس کی یہ صفت ہے کہ **ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما** اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیج رہے ہیں نبی پاک ﷺ پر، اے ایمان والو تم بھی بھیجو۔ اللہ یہ اعلان ساری کائنات میں کرتا ہے، اللہ نے جب یہ

کہا تو اُس کو کلام میں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے' مالک ہونے کی حیثیت سے ساری کائنات کو اللہ نے یہ کہا ہے' Even کہ Non-believers کے سامنے بھی کہا اور تم اپنے Believers کے سامنے یہ اعلان کرو کہ ہم درود بھیجتے ہیں' اللہ کے حکم کے مطابق اور اللہ کی خواہش کے مطابق۔ یاد کا نام درود ہے' ادب کا نام درود ہے' آپ کی بات پر کسی اور بات کو فوقیت نہ دینا درود ہے' آپ کے خیال میں محو ہو جانا درود ہے۔

منم محوِ خیالِ اُو نمی دانم کجا رفتم

اس کے خیال میں ہمیں پتہ نہیں چلا کہ کہاں سے کہاں چلے گئے۔ نام لیں یا نہ لیں بس یہی درود ہے۔ آپ کی یاد میں آنکھ کا بھر آنا درود ہے' آپ کی یاد میں سر کا جھک جانا درود ہے' آپ کی یاد میں رہنا درود ہے۔ درود تو بس درود ہے' یہ الفاظ سے بے نیاز بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے آپ اس بات کا خیال رکھو کہ یاد رکھنا جو ہے یہ درود ہے۔ اور یہ کہ طاقت بھی یہی ہے۔ اگر آپ غور سے سمجھو تو اندازہ لگاؤ کہ آج تک ہم اسلام میں ضربِ یداللّٰہی کو مانتے آرہے ہیں۔ یہ طاقت ہے

اسلام کے دامن میں دو ہی تو چیزیں ہیں

اِک ضربِ یداللّٰہی اِک سجدۂ شبیری

ضربِ یداللّٰہی ایک طاقت ہے اور طاقت کی وابستگی یہ ہے کہ حضور مولا علی کے ساتھ وابستہ کی جاتی ہے' طاقت اور مشکل کشائی۔ آپ اندازہ لگا لو کہ جس ذات سے ہم مشکل کشائی وابستہ کرتے ہیں وہ خود سجدے میں شہید ہو رہے ہیں۔ بات

مشکل ہے لیکن وہ مشکل کشا ہیں۔ اب آپ اندازہ لگاؤ کہ بات مشکل ہوگئی کہ آپ شہید ہو رہے ہیں اور ہیں مشکل کشا۔ اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو یہ کہتا کہ خنجر مارنے والے کو فوراً گرفتار کرلیا جائے' اس کے ساتھ اس کے خاندان کو برباد کردیا جاتا' وہاں کوئی واقعہ ہوجاتا۔ مگر اس مشکل میں آپ نے یہ مشکل کشائی کردی' فرمایا کہ میں نے اس کو معاف کردیا۔ یعنی کہ قاتل کو آخری سانس میں معاف کردینا ہی مشکل کشا کا کام ہے۔ چھوٹا بندہ یہ نہیں کرسکتا۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ یہ مشکل کشائی ہے۔ اور مشکل کشائی کی طاقت آپ کے صاحب زادگان میں Inherit ہو رہی ہے۔ حضرت امام عالی مقامؓ کے پاس مشکل کشائی کی طاقت بھی ہے' ضربِ یداللہی بھی ہے لیکن ساتھ ہی سجدہ شبیری بھی ہے۔ اب آپ بتاؤ کہ وہ مشکل کشائی طاقت ہے کیا' قوت کیا ہے؟ بس آپ یہ سمجھو کہ اسلام میں سب سے بڑی قوت جو ہے یداللہی بھی' وہ قوتِ برداشت کا نام ہے۔ اسلام میں رہنے والا مسلمان قوی تب ہوتا ہے جب گلے کی زبان نہ کھولے۔ برداشت کرنے والا' ستم سہنے والا' اللہ کے پاس رہنے والا' اللہ کی بات پر کچھ نہ کہنے والا جب بولے گا تو پھر اسی کے پاس طاقت ہوگی۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ طاقت یہ ہے کہ آپ جانتے ہو کہ اللہ کے پاس طاقت ہے اور اللہ نے یہ کام کیا' تو اب آپ بولو نہیں۔ برداشت کرجاؤ تو پھر اسی مے کدے میں آپ کو وراثت مل جاتی ہے۔ یعنی کہ جو پیاسا ہے وہی ساقی ہے' جو زخم کھا رہا ہے وہی زخموں سے نجات دینے والا ہے' طاقت اُسی کے پاس ہے جو برداشت کر رہا

ہے۔ اتنی سی بات اگر سمجھ آ جائے تو اسلام آپ کو سمجھ آ جاتا ہے۔ داتا صاحبؒ کی آپ مثال لو۔ یہ قریب ترین کی مثال ہے' ان کا عرس شریف بھی آ رہا ہے۔ آپ کا نام نامی ہندوستان' کمبائینڈ انڈیا میں' سارے ایشیا میں اور ساری ورلڈ میں موجود اور مقبول ہے۔ یہاں پر آپ کو ایک آستانہ نظر آ رہا ہے' وہاں رونق بھی ہے' کھانا پینا بھی ہے' سنگِ مرمر بھی ہے' پنکھے بھی ہیں لیکن آپ اس وقت کی زندگی دیکھو کہ آپ غزنی سے پیدل چل کر آ رہے ہیں اور پردیس میں تن تنہا' اکیلی ذات شہر کے دروازوں کے باہر' درخت کے نیچے' اللہ کا نام لے کر' اللہ کی یاد کا چراغ جلانے والا' کتنی قوتِ برداشت رکھتا ہوگا۔ والدین کو چھوڑا' اپنے وطن کو چھوڑا' گاؤں کو چھوڑا' شہر کو چھوڑا' ملنے والوں کو چھوڑا' اجنبی دیس میں اجنبی زبانوں میں سفر کیا' اجنبی عادات میں رہا' ان کے واقعات میں رہا' اللہ کا حکم خوشی سے برداشت کرنے والے کو آج اگر میں نہیں جانتا تب بھی میں کہتا ہوں کہ

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا

یعنی کہ اندازہ لگالو کہ وہ برداشت آج کمانڈ کر رہی ہے۔ وہ جو برداشت انہوں نے کی ہے وہ آج بھی کمانڈ کر رہی ہے کہ پاس سے اگر کوئی Non Believer بھی گزرے گا' خانقاہ کو نہ ماننے والا بھی' داتا صاحبؒ کو سلام کرتا جائے گا۔ کہتا ہے کہ فاتحہ پڑھ کے جائیں گے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ طریقت کیا ہے' کہتے ہیں کہ مزار پہ لوگ سجدہ کرتے ہیں' پتہ نہیں کیا ہوتا ہے لیکن وہ بڑے بزرگ ہیں' سلام کرو' فاتحہ پڑھو' ان کے پاس چلے جاؤ۔ کوئی آدمی گستاخ

طریقے سے نہیں بول سکتا۔ آج بھی وہ ذات کمانڈ کرتی ہے، وہ برداشت کمانڈ کرتی ہے۔ جس کے پاس برداشت کی وہ قوت ہے آج بھی مشکل کشا اسی کو کہتے ہیں بلکہ پرانے زمانے میں ہندو بھی نعرے لگاتے تھے کہ "نعرہ حیدری"، سکھ بھی لگاتے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ برداشت کی اتنی قوت ہے کہ یہ دور تک پھیلنے والی ہے۔ اسلام کے اندر اگر آپ برداشت شروع کردو، گلہ کرنا شروع کردو، اپنے آپ کے ساتھ صلح کرلو، اپنے ساتھ مہربانی کرو، اپنی ذات کے ساتھ صلح کرلو، اپنی بیوی کو سچ مچ کی بیوی مان لو، برداشت تو کر ہی رہے ہیں، اب ان کی زندگی کو پوری پوری زندگی مان لو، اپنی اولاد کو واقعی اولاد مان لو، ان کی خدمت کرنی شروع کردو، دوستوں سے سچ مچ کی دوستی کرلو، یہ ہو رہا ہے کہ آپ کا دوست ہے اور اس کے ساتھ آپ دوستی کے پورے آداب کر رہے ہیں، پورے واقعات کر رہے ہیں لیکن دوستی بنتی نہیں ہے، یعنی دوست کے ساتھ پوری عمر گزر گئی لیکن دل میں دوستی نہیں ہوئی، اب دوست کو واقعی دوست کہہ لو، ہر چیز کو واقعی وہی کرلو یعنی اس کو اس کے اصل نام سے پکارو۔ اگر آپ اشیاء، افراد اور صفات کی ان کے اصل نام سے پہچان شروع کردو تو آپ کی درویشی مکمل ہو جاتی ہے، یہ کون ہے؟ اختر صاحب ان کا نام ہے، دوست ہے۔ اگر میں نے اسے دوست کہہ دیا تو پھر زندگی میں کسی دن اس کو غیر دوست نہ کہوں۔ یہ اس کی پہچان ہے۔ یہ تو افراد ہو گئے۔ پھر ہیں صفات۔ وہ کیا ہے؟ یہ صفت ہے۔ مثلاً صفت یہ ہے کہ وہ سخی ہے۔ سخی اگر غریب ہوگا تب بھی سخی ہے۔ وہ مہمان نواز ہے، اتنا مہمان نواز ہے کہ گھر میں آنے

والے کو کھانا کھلاتا ہے اور اس کا عالم یہ ہے کہ ایک دن اس کے پاس بڑی دور سے مہمان آ گئے' ذرا شاہانہ انداز کے لوگ مہمان آ گئے' کھانا Serve کیا سخی نے' جو کہ مہمان نواز تھا۔ کھانے کے بعد اپنے لنگر خانے کے انچارج سے پوچھا کہ آج کھانا کس نے پکایا۔ انہوں نے کہا کہ آج تو کھانا نظام الدین نے پکایا۔ یہ بابا فریدؒ کا واقعہ ہے نظام الدین اولیاءؒ کے بارے میں۔ آپ نے بلایا اور پوچھا کہ نظام کیا آپ نے آج کھانا پکایا ہے؟ انہوں نے کہا جی! کہتے ہیں کہ لنگر خانے میں نمک تو تھا نہیں' نمک کہاں سے ڈالا تو نے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے بڑے معزز مہمان تھے' میں نے نمک مانگ لیا' اس نے مجھے دے دیا اور میں نے ڈال دیا۔ کہنے لگے کہ اس لنگر کا کیا فائدہ جس نے تجھے محتاج بنا دیا ہو' ہم محتاج تو نہیں ہیں ہم تو سخی ہیں۔ جب یہ بات نظام الدین اولیاءؒ کو سمجھ آ گئی تو پھر سب نے دیکھا کہ اُن کا دلّی میں شاہانہ لنگر آج تک جاری ہے اور شاہانہ جمال کے ساتھ جاری رہا۔ کہتے ہیں نظام الدین اولیاءؒ کا لنگر اتنا تھا کہ اس کی سبزیوں کے چھلکے اونٹوں پر لاد کے لے جایا کرتے تھے۔ بادشاہ کا لنگر بھی اتنا نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ ان کو لنگر پکانا سکھایا گیا جن کو پہلے استغناء سکھائی اور استغناء ایسی سکھائی کہ مانگنا نہیں' سوال نہیں کرنا بلکہ جاری کر دو۔ اور جب جاری ہو گیا تو پھر جاری رہا۔ یہ صفت کی پہچان ہے' پہچاننے والے نے پہچان لیا کہ یہ صفت ہے کہ سخی ہے' مانگنے پہ آئے تب بھی مانگ کے کھلا دیتا ہے' تو اس کو لنگر عطا کیا۔ اور جو بابا صاحبؒ کے بھانجے صابر' علی احمدؒ یعنی علی احمد صابرؒ تھے اور بعد میں داماد بھی

ہوئے' بابا صاحبؒ کی بہن ان کو آپ کے پاس چھوڑ گئی کہ یہ آپ کا بھانجا ہے' ہمارے گھر میں کچھ ہے نہیں' آپ کے لنگر چلتے ہیں' ان کی صحت ٹھیک ٹھاک ہو جائے گی۔ آپ نے کہا کہ جا تُو لنگر تقسیم کر۔ کتنے ہی سال گزر گئے اور اماں آئی تو وہ بچہ بالکل ہی فاقے میں تھا۔ انہوں نے بابا صاحبؒ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے' تو انہوں نے بلایا اور کہا کہ تجھے میں نے لنگر پہ لگایا تھا اور تیری یہ حالت ہے۔ جواب دیا کہ آپ نے کہا تھا کہ تقسیم کرو تو میں تقسیم ہی کرتا رہا ہوں۔ آپ نے کہا کہ اچھا' میں سمجھ گیا' تم روٹی رکھ لیا کرو۔ پھر کتنے ہی سال گزر گئے اور وہ پتلا پتنگ ہو گیا۔ ماں نے کہا کہ اب کیا ہے۔ انہوں نے پھر بلایا اور پوچھا کہ اب کیا ہو گیا۔ کہنے لگے کہ آپ نے کہا تھا کہ روٹی رکھ لو' میں رکھتا ہی جا رہا ہوں۔ بابا صاحبؒ نے کہا کہ تیرا لقب ہے "صابر"۔ ان کو صابر کا لقب دیا' اور صابرؒ کا یہ عالم ہے کہ جب وہ عالمِ حیرت میں کھڑے ہوئے تھے تو سامنے سے کوئی گزر نہیں سکتا تھا۔ یہ ایک ہی نگاہ کی ٹریننگ ہے جس نے نظامؒ کو جمال بنا دیا اور ان کو جلال بنا دیا۔ یہ ہے صفت کی پہچان۔ اب دونوں کی صفات الگ الگ ہیں' ایک جو ہے مانگ کے بھی کھِلا دیتا ہے اور ان کو رکھنے کا حکم ہے اور یہ حکم کے مطابق ہیں کہ رکھتے جاؤ' رکھتے جاؤ اور پھر وہ "صابر" ہو گئے۔ اس لیے صفت کی پہچان آپ کا کام ہے' صفت کی پہچان ہو' اشیاء کی پہچان ہو اور افراد کی پہچان ہو' ان کے نام رکھ دیے جائیں تو نام بدلنا نہیں چاہیے۔ یہ ہے آپ کی شان۔ جس صفت کا' فرد کا نام آپ نے بیوی رکھا وہ بیوی ہی کہلائے' جس کو بیٹا کہہ دیا وہ بیٹا

ہی کہلائے، جس کو دوست کہہ دیا وہ دوست ہی کہلائے، جس کو ماں کہہ دیا وہ ماں ہی کہلائے، جس کو باپ کہہ دیا وہ باپ ہی کہلائے، جس کو کچھ کہہ دیا وہ ہی کچھ کہلائے اور جس کو سب کچھ کہہ دیا وہ سب کچھ ہی رہا۔ یہ پہچان آپ نے کر لی ہے، اتنی سی Concentration ہے، اتنی سی کہانی ہے، زیادہ فکر کی بات کوئی نہیں ہے، بڑا آسان کام ہے۔ بس یہی آپ نے کرنا ہے زندگی میں۔ اس لیے اسلام نے آپ کو بہت آسانیاں عطا فرمائیں۔ آپ چیزوں کو ان کے اصلی نام سے یاد کیا کرو، منافقت، ملاوٹ، بلاسبب فقیری بیان کرنا اور ولایت بیان کرنا جو ہے خدا کے لیے ان سے بچو۔ پہلے ہی قوم برباد ہوئی ہے ان باتوں سے۔ لمبی چوڑی فقیری کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ انسان ہونا بڑی اچھی بات ہے، صرف انسان ہونا بہت اچھی بات ہے، فقیری نہ ہو لیکن انسان تو ہے۔ مسلمان ہونا بڑی اچھی بات ہے۔ ولی ہے یا نہیں ہے، مسلمان تو یہ ہے۔ اگر صحیح مسلمان ہو تو اس سے بہتر ولی اللہ کوئی نہیں ہے۔ صحیح مسلمان ہونا، یہی ولی اللہ ہے۔ کرامت نہ ہو تو استقامت ہی سب سے بڑی کرامت ہے۔ اس کائنات میں سب سے بڑی کرامت استقامت ہے۔ استقامت کی کرامت حاصل کر لو اور ایمان کی ولایت حاصل کر لو، چیزوں کے مفاہیم کو سمجھنے کا علم حاصل کر لو اور حضور پاکؐ پر کسی کو ترجیح دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اللہ کو جاننے کی کوشش نہ کرنا، خدا کے لیے یہ جاننے کی کوشش نہ کرنا، بس مانتے چلے جاؤ۔ اللہ پہلے چیز دیتا ہے پھر لے لیتا ہے۔ یہی اس کا کام ہے۔ دن کو آپ کے پاس سورج بھیجا۔ بڑی خوشی کے

ساتھ ہم اس کا استقبال کرتے ہیں کہ روشنی کا مینار، یہ سورج آ گیا اور جب شام ہوگئی تو کہتا ہے کہ کدھر اُٹھا کے لے گیا۔ کہتا ہے کہ میں واپس لے گیا ہوں۔ بس وہ لے جاتا ہے۔ پھر اللہ کہتا ہے کہ صبح ان کو روشنی دے دو۔ یعنی کہ وہ دیتا چلا جاتا ہے۔ اس کے کام ہی ایسے ہیں، یہ اُتار چڑھاؤ کے ہیں۔ وہ اللہ ہے ناں۔ اس نے صفات کا تضاد رکھا ہوا ہے، رحمٰن ہے، قہار ہے، رحیم ہے اور جلال اس میں ہے۔ اس کے اسماء کے اندر کتنا ہی تضاد ہے، دن پیدا کرتا ہے، رات پیدا کرتا ہے چھوٹی چیز پیدا کرتا ہے، مچھر پیدا کرتا ہے، پہاڑ بناتا ہے، دریا بنایا ہے، چھوٹی بڑی اور بڑی چھوٹی ہر چیز بناتا ہے، ہر شے کا مالک ہے، بادشاہ ہے، شہنشاہ ہے۔ فرعون بنا دیا اور موسیٰ علیہ السلام بنا دیا۔ کہتا ہے تم آپس میں بات کرلو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُسے برباد کر کے رکھ دیا، اُڑا کے رکھ دیا۔ پوری بادشاہی اُلٹا دی۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ جب فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تھے تو اللہ تعالیٰ کی موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو ہوئی تھی، اللہ نے کہا کہ فرعون پر قہر تو ہے لیکن یہ اچھا لگتا ہے کہ یہ علم والوں کی عزت کرتا ہے اور ہر آئے گئے کو کھانا ضرور کھلاتا ہے اور اس کی یہ دو چیزیں مجھے اتنی اچھی لگتی ہیں کہ اس پر عذاب ڈالنے کا دل نہیں کرتا لیکن یہ مانتا نہیں ہے، اس لیے اس کے اوپر عذاب ہے۔ اور جب عذاب قریب تھا، عذاب کے Actual آنے سے پہلے وہاں پر قحط ہوا۔ قحط کے اندر لوگ آگے پیچھے ہوگئے اور اس کی ذاتی محفل ٹوٹ گئی، علم دوست چلے گئے اور قحط کی وجہ سے لنگر بند ہوگیا۔ جب لنگر بند ہوگیا تو عذاب قریب تھا۔ جب تک کسی کے نام کا لنگر چل رہا ہے، انسانوں کی

خدمت کی جارہی ہے تو عذاب نہیں آتا۔ میں یہ کہہ رہا ہوں۔ عذاب کو ٹالنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ روٹی پکاؤ' تندور کی روٹی پکاؤ۔ کسی ایک بھوکے کے پیٹ میں اگر کھانا چلا گیا تو سمجھ لو کہ تمہارے سر سے دوزخ ٹل گئی۔ یہ اتنے بڑے راز کی بات ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جن کے لنگر چلتے ہیں ان میں بڑا راز ہے۔

جس نے پہلی دفعہ کلمہ پڑھا اور علاقۂ کفر سے آ کے اسلام قبول کیا' اور اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا' اب وہ کدھر جائے گا۔ جنت میں۔ یہ پکی بات ہے۔ کیا کلمہ پڑھ پڑھ کے دوزخ میں جائیں گے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے بھلا؟ وہ ایک کلمہ پڑھے اور جنت میں جائے گا اور کیا ہم کلمہ کا وِرد کر کے دوزخ میں جائیں گے؟ یہ کیا بات بنی؟ ایسا نہیں ہے۔ یہ ساری کی ساری تعلیم غلط ہو گئی۔ اور یہ بات آپ پر آشکار ہونی چاہیے کہ آپ اپنے آپ کو یا تو پھر کوئی چیز الاٹ نہ کرو' نہ جنت نہ دوزخ۔ یہ کہو کہ ہم عمل کر رہے ہیں' اس کا حکم مان رہے ہیں اور ہم شوق سے اس کے پاس جا رہے ہیں۔ میں واضح طور پر آپ کو یہ بتاتا ہوں' یہ بڑے راز کی بات ہے کہ جس دل میں اللہ کا خوف آیا' چاہے اس کے معنی کچھ نہیں ہیں' جس دل میں اللہ کا شوق آیا چاہے اس کا مفہوم سمجھ نہیں آیا' اس پر آتشِ دوزخ حرام ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں آپ میں پائی جاتی ہیں' اس کا خوف بھی رہتا ہے اور شوق بھی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے سے ڈرنے والوں کو اپنے بڑا قریب کرتا ہے۔ جو اللہ سے ڈرے وہ بہت ہی قریب ہوئے۔ اللہ کا قرب اللہ کا ڈر ہی پیدا کرتا ہے۔ اللہ کے شوق میں بھی خوف کا پہلو رہتا ہے۔ اس لیے جو لوگ اللہ سے

ڈرتے ہیں وہ اللہ کے قریب رہتے ہیں' جو لوگ اللہ کا شوق رکھتے ہیں وہ اللہ کے قریب رہتے ہیں اور قریب رہنے والوں کو دوزخ کا جو ڈر ہے یہ اندیشہ اسلام سے باہر کے علم کا ہے' اسلام میں نہیں ہے۔ اسلام میں سلامتی ہے' یہاں کی بھی اور وہاں کی بھی۔ اس لیے کبھی یہ اندیشہ نہ رکھنا' بلکہ اس قسم کا اندیشہ گناہ ہے۔ جب آپ یہ کہتے ہو کہ توبہ کر لی گئی' تو توبہ کے بعد انسان نیا ہو گیا' گناہ معاف ہو گئے۔

اور پوچھو ..... بولو .....

سوال:

ایک تو اس محفل کا علم ہے اور پھر جو دوسرے سیکشن ہیں .....

جواب:

دوسرے کا دائرہ چننا۔

سوال:

چنا تو نہیں لیکن ہم کیا کریں کیونکہ وہ چیز مطالعے میں تو آتی ہے۔

جواب :

دوسرا جو ہے وہ اپنا دائرہ چنے گا اور آپ اپنا دائرہ اختیار کریں۔

سوال:

اس سے پھر کیا Relevance رہے گی؟

جواب:

آپ کے لیے؟

سوال:

جی ہاں!

جواب:

آپ کے لیے یہ نہیں ہے۔آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ شاید قرآن پاک سے آپ کا نام نکلے گا مگر آپ نے نام پہلے رکھنا ہے۔قرآن پاک پڑھنے کے بعد آپ نے یہ فیصلہ نہیں کرنا کہ ہم مسلمان ہیں کہ نہیں ہیں' یہ فیصلہ پہلے کر لینا ہے۔ جب آپ نے فیصلہ کر دیا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا دین اسلام ہے' ہم مومن ہیں تو اب قرآن شریف آپ کے لیے ہے۔ ورنہ کافر قرآن شریف پڑھے تو اس کو فیض نہیں ہوگا۔اس لیے متقی ہونا پہلے ہے۔اور متقی میں پورا اسلام ہے۔ یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنھم ینفقون یہ سارا اسلام ہے اور یہ پہلے ہونا چاہیے اور پھر اس کے بعد آپ قرآن شریف سے ہدایت پائیں۔ہدایت اس زندگی کی اور آنے والی زندگی کی۔

سوال:

فیض کیا ہے' اس کے بارے میں کچھ فرمادیں۔

جواب:

فیض کی Domain یہ ہے کہ اس زندگی میں اس کے اعمال آپ کے

لیے جو نتیجہ مرتب کر رہے ہیں اس نتیجے میں کبھی کبھی کرب شامل ہوتا ہے' نتیجے میں کبھی کبھی اذیت شامل ہوتی ہے اور کبھی کبھی یہ سمجھ نہیں آتا کہ نیکی کا نتیجہ کہاں ہے۔ فیض کا مطلب یہ ہے کہ آپ پر ایسا احسان کہ آپ کو اپنے حقوق سے زیادہ کوئی چیز حاصل ہو جائے' ایسا احسان جس میں کسی انسان کی Contribution شامل ہو تو اسے فیض کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے انسان کا شکر ادا نہ کیا اس نے میرا شکر کیا ادا کرنا ہے۔ گویا کہ انسان محسن ہو سکتا ہے۔ محسن کا معنیٰ یہ ہے کہ اس سفر کے اندر آپ میں جو تقویتِ سفر پیدا کر دے' وہ فیض ہے۔ ایک بات بڑی یاد رکھنے والی ہے کہ ایک آدمی کو ایسی چیز عطا ہو جائے جو اس کو دنیا سے وابستہ کر دے تو یہ فیض نہیں ہے۔ فیض یہ ہے کہ وہ اس نشاطِ آرزو سے اُسے بے نیازِ آرزو کا سفر کرائے۔ یہ زندگی آرزوؤں کا سفر ہے لیکن اس سے بے نیازِ آرزو ہونے کا سفر بتایا جائے۔ ایک بزرگ نے دنیا کی ایک کہانی سنائی ہے' سادہ سی کہانی ہے اور کتنی آسانی سے سمجھ آتی ہے۔ ایک بستی میں ایک گرو اور چیلہ گئے۔ ہندوؤں کا زمانہ تھا۔ اس زمانے کی کتاب میں تھا کہ وہاں ہر چیز ٹکے سیر بکے۔ گرو نے چیلے کو کہا کہ اس بستی میں کچھ نہ کھانا' ہر چیز سستی ہے' کہیں تو پریشان نہ ہو جائے۔ اس نے پیر کی بات نہ مانی اور اُس بستی میں خوب کھایا پیا حتیٰ کہ اپنے وجود میں بہت موٹا ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک قتل ہو گیا۔ وہ اندھیر نگری تھی اور اس کا چوپٹ راجہ تھا' تو راجہ نے فیصلہ کیا کہ قاتل کو پھانسی لگاؤ۔ پھندا ذرا موٹا بن گیا' کھلا بن گیا۔ انہوں نے کہا کہ اس کو تو پورا نہیں آتا' یہ تو کھلا بن گیا۔ راجہ نے

کہا کہ جس کو پورا آتا ہے اس کو لگا دو۔ وہ پھندا اُسی مرید کو پورا آیا۔ جب اس کی پھانسی کا دن تھا تو اُس نے اپنے گرو کو یاد کیا' بولا کہ گرو مہاراج بڑی غلطی ہو گئی' معافی دے دو' میری آرزو کا سفر مجھے لے کے بیٹھ گیا' اب مجھے کسی طریقے سے معافی دلا دو۔ گرو وہاں پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ اب بچنا بڑا مشکل ہے' اچھا ایک بات تمہیں بتاتا ہوں' میں جو کہوں گا تو وہی کہنا۔ اب یہ گرو کی تعلیم ہوتی ہے کہ جو وہ کہے تم وہی کہنا۔ اس نے کہا کہ میں اُدھر ایسے ہی کہوں گا۔ جب پھانسی کی طرف جانے لگے' راجہ موجود تھا' گرو کہنے لگا کہ پہلے مجھے پھانسی دو۔ چیلہ کہنے لگا پہلے مجھے پھانسی دو۔ گرو نے کہا کہ جو میں کہوں گا تو وہی کہتا جا۔ وہ کہتا کہ مجھے پھانسی دو اور یہ کہتا کہ مجھے پھانسی دو۔ راجہ بڑا حیران پریشان تھا کہ بات کیا ہے۔ گرو نے کہا کہ آج خاص وقت ہے' جو اس وقت پھانسی لگے گا وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ راجہ کہتا ہے کہ پھر مجھے موقع دو۔ یہ ہے اندھیر نگری کا کام۔ اس کے اندر بڑا ہی غور کرنا چاہیے کہ آرزو جو ہے اسے نجات کی راہ ملنی چاہیے ورنہ آرزو تباہ کر دیتی ہے۔ اپنے آپ کو بے آرزو کر دو۔ کیونکہ آپ نے بے آرزو ہو کے زندگی کو ختم کرنا ہے۔ حاصل رکھو' زندگی رکھو لیکن اس میں آرزو کا سفر نہ ہو' اپنے آپ کو بے آرزو کر دو۔ یہ بہت ضروری ہے۔ پھر آپ کے لیے بڑی ہی آسانی ہے۔ باقی یہ ہے کہ سارا نیت کا سفر ہے' آپ کی نیت اللہ کی طرف رجوع کرے' آپ نے سمت درست کرنی ہے' رُخ درست کرنا ہے' جہاں آپ نے رُخ دریافت کر لیا وہیں آپ کا سفر شروع ہو گیا۔ آپ نے صرف رُخ دریافت

کرنا ہے فاینما تولوا فثم وجہ اللہ جہاں آپ کا وہ رُخ ہو گیا اللہ تعالیٰ کی ساری بات وہیں سمجھ آ جائے گی۔ اس لیے اب آپ دعا کرو۔

دعا یہ کرو کہ وہ آرزوئیں جو فرائض ہیں، وہ پوری ہو جائیں۔ ہماری وہ آرزوئیں جو فرائض ہیں اللہ تعالیٰ وہ پوری فرمائے۔ وہ آرزوئیں جو ہمیں حقیقت سے دور لے جاتی ہیں ان آرزوؤں سے نجات کے لیے اللہ تعالیٰ ہم پر آسانیاں نازل فرمائے۔ ہمیں تو سمجھ نہیں آتی کہ ہم کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے اور ہم سے ایسی کوئی غلطی نہ ہو جس سے وہ ناراض ہو جائے۔ اللہ سے یہی دعا کرو کہ یا اللہ ہمیں اپنی پسند کی زندگی عطا فرما اور ہمیں اس قابل بنا کہ ہم تیری رضا کو سمجھیں اور اپنی رضا کو تیری رضا کے تابع کریں، ہم تجھ سے وہ چیز نہ مانگیں جو تو دینا پسند نہ فرمائے، ہم ان دعاؤں سے بھی توبہ کرتے ہیں جو تجھے ناپسند ہوں، اس لیے ہمیں تُو وہی چیزیں عطا فرما جو تجھے پسند ہوں اور پھر ان پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ ہم پر احسان فرمائے۔ ہم مسلمانوں کے لیے کچھ کام کریں، اسلام کے لیے کچھ کام کریں اور اپنے آپ کے لیے کچھ کام کریں۔ یا اللہ یہ زندگی ہم پر آسان فرما اور وہ زندگی ہم پر آسان فرما۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه و نور عرشه اشرف الانبیاء والمرسلین حبیبنا وشفیعنا وسیدنا ومولٰنا محمد وعلیٰ آله واصحابه وازواجه واهل بیته اجمعین برحمتک یاارحم الرّٰحمین۔
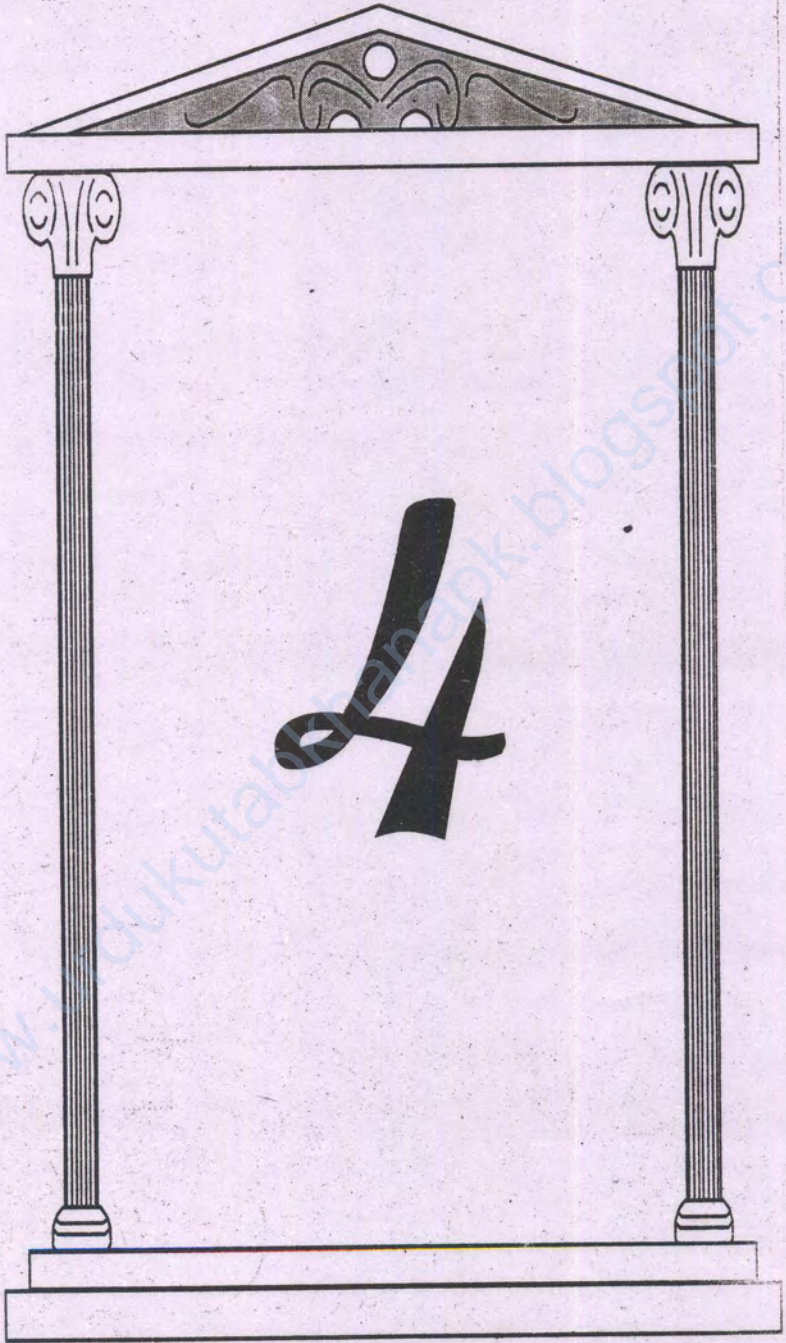
(4)

1 ہم مسلمان اللہ پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے کہنے پر عمل کرتے ہیں مگر ہمیں نتیجہ وہ نہیں ملتا جو دوسروں کو ملتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

2 میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اسلام تسلیم و رضا کا مذہب ہے.....

سوال:

ہم مسلمان اللہ پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے کہنے پر عمل کرتے ہیں مگر ہمیں نتیجہ وہ نہیں ملتا جو دوسروں کو ملتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:

آپ نے اتنا سوچنا ضرور ہے کہ اگر اللہ کریم پر ایمان فرض بھی ہے اور مجبوری بھی ہے اور Actual حقیقت بھی ہے کہ ہم اس فرض سے دوچار ہوئے ہیں اور اس واردات سے گزرے ہیں کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے یعنی کسی نہ کسی حقیقت پر ہمارا عقیدہ ہے جس کا نام ہم نے اللہ رکھا ہے۔ اب اس پر ایمان رکھو۔ اگر اللہ پر ایمان ہو اس کے احکام کے مطابق ایمان ہو اور پھر اپنے کام میں تھوڑی بہت کمی بیشی بھی کی جائے، اس کے احکام کے مطابق عمل میں کچھ کمی بیشی بھی کی جائے اور ہمارے جو کام رہتے ہیں اس کے متعلق بھی یہ سنا ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا، پھر اگر کام بھی نہ ہوں تو سوچنا پڑ جاتا ہے کہ ہمارا اعتقاد کیا ہے۔ اب یہ بڑی خطرناک سی بات ہے۔ آپ اعتقاد کی بنیادیات پر غور کرو کہ اعتقاد دینے والے نے جو اعتقاد دیا ہے تو یہ کیا چیز ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جس کام کی

ضرورت ہے اس کام کے بارے میں اطلاع یہ ہے کہ وہ کام اللہ ہی کرتا ہے اور اللہ وہی ہے جو اسلام نے بتایا ہے اور اسلام وہی ہے جو ہمارا دین ہے اور اللہ کو ماننے والے ہم ہی لوگ ہیں، اللہ کو مانتے ہیں، بچپن سے اب تک اللہ کی بات سنتے آئے ہیں یا کرتے آئے ہیں اور ہماری خواہش کو پورا کرنے کی طاقت بھی اللہ ہی کو ہے، یہ بھی ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ کام اس کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا مگر ہماری کوئی خواہش ہی پوری نہیں ہوتی۔ یا تو اس اطلاع پر از سرِ نو غور کرو کہ کیا یہ کام اللہ کا ہے کہ وہ آپ کی خواہش کو پورا کرے یا پھر یہ آپ کا اپنا کام ہے یا درمیان میں خواہش پوری ہونے کی کوئی اور شرط رہتی ہے کہ اگر ایسا کام ہو تو وہ عمل پورا ہو جائے گا۔ مثلاً چار دن کی زندگی ہے اور اس میں غریبی آ جائے اور یہ پتہ ہو کہ رزق اللہ نے دینا ہے اور اللہ وہ اللہ ہے جو ہمارا اللہ ہے، وہ کافروں کا اللہ تو نہیں ہے، ان کا مالک تو ہے لیکن ان کے اعتقاد میں نہیں ہے، تو ہمارے اعتقاد میں وہ ہمارا اللہ ہے۔ اور ہم اُسے ماننے کے باوجود اس زندگی کے اندر بھی اپنی ضرورت کی سہولت حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے اور آخرت کا اندیشہ Extra ہے۔ وہ اپنی جگہ پر الگ قائم ہے مثلاً اس زندگی میں آپ کے اعمال پورے Level پر نہیں آئے، لہٰذا آپ کی آخرت بھی مخدوش ہے اور جس Level کا آپ کا اعتقاد تھا آپ کو اس Level کی کوئی نہ کوئی سہولت بھی آنی چاہیے تھی مگر وہ بھی نہیں آئی۔ اس لیے آپ اپنے عقیدے پر از سرِ نو غور کریں کہ عقیدہ ہوتا کیا ہے۔ یہ غور کریں کہ جب آپ نے اپنے عقیدے میں اللہ کریم کو

مان لیا تو یہ تسلیم جو ہے وہ کسی شرط کے بغیر ہے۔ اس لیے آپ کو یہ علم نہیں دیا گیا کہ اللہ کیا کرتا ہے اور کیا نہیں کرتا اور پھر آپ نے ایک ایسے اللہ پر ایمان رکھا جس کے بارے میں اللہ کے حبیب پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ایک ہے' واحد ہے' وہ آج ہے اور آپ پر اس کی عبادت فرض ہے' وہی رب المشرق والمغرب ہے' وہی زمین کو حرکت دے رہا ہے' وہ آسمان کا بنانے والا ہے اور زمین کا بنانے والا ہے اور یہ جو کائنات ہم دیکھ رہے ہیں وہ اس کا مالک بھی ہے اور خالق بھی ہے' اس کی ہم نے عبادت کرنی ہے اور عبادت کا یہ یہ انداز ہے۔ آپ کا Contract بس یہیں تک ہے۔ آپ کو یہ نہیں کہا گیا کہ اگر آپ اس کی عبادت کریں گے تو آپ کو کشادہ رزق مل جائے گا۔ یہاں پر جو اضافہ ہے وہ آپ خود کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایمان کے بارے میں تو صرف اتنا ہی بتایا گیا ہے کہ اس زندگی میں ایسے اللہ کو مان لو جس اللہ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اللہ کو کیوں مان لیا جائے؟ اللہ کو اس لیے مان لیا جائے کہ آپ کی یہ زندگی ایمان میں گزرے گی اور آپ کی آخرت بھی بہتر ہو جائے گی اور آپ کی بخشش کا سامان ہو جائے گا۔ اس میں اگر کوئی گارنٹی دی گئی ہے تو وہ آخرت کی گارنٹی دی گئی ہے مگر آپ اس گارنٹی کو اس زندگی میں استعمال کرتے ہیں۔ بس یہیں سے گڑبڑ ہو جاتی ہے اور سارا عقیدہ ٹوٹ جاتا ہے۔ آپ کو بات سمجھ آئی؟ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کو ماننے کے بعد یہ چیز آپ کے ایمان کے Contract میں نہیں ہے۔ ہے وہ اللہ ہی جو رزق دینے والا ہے اور اللہ ہی مریض کو شفا دینے

والا ہے مگر یہ آپ کے ایمان کے Contract میں نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ عقیدہ بغیر کسی شرط کے آپ نے قبول کیا اور اس کا معاوضہ آپ کو زندگی میں بالعموم سکون کی شکل میں اور آخرت میں نجات کی شکل میں حاصل ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور آپ جو صاحبانِ عقیدہ ہیں وہ عقیدے کی مدد حاصل کر کے دنیاوی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جو کوشش کرتے ہیں ان کے لیے یہاں غور کرنے کا مقام ہے کہ جو چیز کافر کو اُس عقیدے کے بغیر حاصل ہے وہ چیز آپ صرف عقیدے کی وجہ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تو آپ کے عقیدے کی کمزوری ہے۔ مقصد یہ کہ کافر کو کوئی سہولت حاصل ہے اور آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ سہولت ہمیں مل جائے کیونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے تو کافر کو تو وہ چیز عقیدہ نہ ہونے کے باوجود ملی ہے۔ وہ جسے آپ نعمت سمجھ رہے ہیں وہ کافر کو بغیر عقیدے کے حاصل ہوئی ہے، کافر کو عقیدے کے بغیر Scientific ترقی حاصل ہوئی ہے، کافر کو عقیدے کے بغیر دنیاوی معاش کا کنٹرول ملا، دنیاوی معیشت کا کنٹرول ملا، دنیا کی جتنی Energy ہے اس کا کنٹرول کافر کے پاس ہے۔ اور آپ عقیدے کے دم سے وہی کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں جو کافر کو بغیر عقیدے کے حاصل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی نااہلی کو، اپنی نااہلیت کو عقیدے کی وجہ سے اہلیت میں بدلنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ محنت سے ہے اور Scientific ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ کافر نے بیماری کی شفا کا انتظام کیا ہے، اس نے ہسپتال بنائے اور علاج کیا، M.B.B.S ڈاکٹر بنائے، اس نے یہ علاج سوچا اور آپ اس علاج

کو مانتے بھی ہیں مگر پھر آپ ساتھ ہی عقیدہ بھی شامل کرتے ہیں۔ آپ جب علاج Afford نہیں کر سکتے تو اس وقت عقیدہ شامل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ علاج پر آپ کا ایمان ہے' یا تو آپ کا ایمان نہ ہوتا۔ ایسے ہزار ہا لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں یہ کہا کہ ہم انجکشن نہیں لگواتے' دوائی کھانا گناہ ہے' بیماری خود بخود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔ بابا جی بیمار تھے اور کہتے ہیں کہ پھر وہ ٹھیک ہو گئے۔ آپ کو بے شمار ایسے لوگ ملیں گے' کئی بزرگ ملیں گے جن کا کسی دوائی پر کوئی عقیدہ نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بیماری دینے والا اللہ ہے اور شفا دینے والا بھی وہی ہے۔ یا تو یہ عقیدہ ہو' کہ بیماری بھیجنے والا بھی وہ ہے اور وہ اسے Withdraw بھی کر لے گا۔ آپ کا عقیدہ دوائی پر ہے' آپ کا اعتقاد میڈیسن پر ہے' Afford آپ کر نہیں سکتے' لہٰذا آپ دل میں کڑھتے رہتے ہو کہ دعا تو کی ہے لیکن ٹھیک نہیں ہوا۔ مدعا یہ ہے کہ آپ عقیدے کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ عقیدہ جو ہے یہ آپ کی صلاحیت کو بڑھانے کے لیے دیا گیا ہے مگر عقیدے کی وجہ سے آپ کی صلاحیت کمزور ہو گئی ہے۔ اس لیے آپ اس کو Reconsider کرو کہ جو دنیاوی امور ہیں ان کو آپ دنیاوی طریقوں سے طے کرو اور جو حصولِ نعمتِ دنیا ہے اس کو آپ اپنی عقل کے ذریعے' اپنی محنت کے ذریعے طے کرو۔ جہاں آپ کے عقیدے کا تعلق ہے تو آپ کا عقیدہ تقربِ الٰہی کا دعویٰ ہے۔ یہی دعویٰ ہے ناں؟ تقربِ الٰہی آپ کا تجربہ نہیں ہے' تو دعویٰ ہے لیکن تجربہ نہیں ہے۔ جتنی آپ کی عمر ہے' جو آپ کا ماحول ہے' اس میں آپ دیکھو تو کہیں بھی آپ کا دعویٰ یہ دلیل مہیا

نہیں کر سکا۔ اگر ہندوستان کے ساتھ جنگ ہو یا اسرائیل کے ساتھ جنگ ہو' آپس میں کوئی بات ہو یا کوئی اور واقعہ ہو تو آپ کا یہ عقیدہ کوئی ایسی دلیل' قوی دلیل مہیا نہیں کر سکا جس سے آپ یہ کہہ سکو کہ ہمارے عقیدے کی وجہ سے یہ واقعہ ہوا ہے یا یہ کہہ سکو کہ عقیدے کی وجہ سے اتنے راکٹوں کی موجودگی کو ایک ہی آدمی کنٹرول کر گیا۔ 1965ء کی جنگ میں کچھ دن کا آپ کہہ سکتے ہیں کہ عقیدے کی وجہ سے آپ کو شکست نہیں ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ عقیدے کو بڑے غور سے دیکھو کہ آپ کا عقیدہ تقربِ الٰہی کا دعویٰ ہے لیکن تقربِ الٰہی کا تجربہ نہیں بنا۔ پھر تقربِ الٰہی ہے کیا؟ یہ عقیدے پر اعتقاد ہے۔ اب جو آپ کا عقیدہ ہے اُس پر اور اعتقاد کرو۔ آپ تو اپنے عقیدے میں روز اضافہ کرتے ہو' ہر روز شرط کا اضافہ کرتے ہو اور عقیدے پر اپنا اعتقاد قوی نہیں کرتے۔ With the result کہ عقیدہ بھی ٹوٹ گیا' دنیاوی سہولت بھی نہ ہوئی اور آخرت بھی مخدوش ہو گئی۔ مقصد یہ ہے کہ اس وقت مسلمان سب سے زیادہ مشکل میں ہے' لوگ اُسے کہتے ہیں کہ تو عقیدے کی وجہ سے پست ہوا' کافر اُسے کہتے ہیں کہ تمہارے عقیدے میں کوئی کمی ہے اس لیے تم پست ہو حالانکہ یہ تو Science کی کمی ہے یا پھر حالات کی کمی ہے۔ ہم چونکہ عقیدے کے دم سے کوئی فروغ چاہتے ہیں مگر وہ فروغ ملتا نہیں اور جو ہمارے صاحبانِ بصیرت اور صاحبانِ اختیار ہیں وہ عقیدے کو بیان کرتے ہیں' عقیدہ اُن کو تو راس آتا ہے مگر محکوموں کو راس نہیں آتا۔ حالانکہ عقیدہ میں یہ بیان ہے کہ عقیدہ سب کو ہموار کرتا ہے اور سب کو برابر

کرتا ہے۔اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جو بھی جس مقام پر اور مرتبے میں بیٹھا ہوا ہے فرعونی عمل کرتا ہے اور کہتا یہ ہے کہ عقیدے کے دم سے مجھ کو یہ فروغ ملا۔ فرعون کون ہے؟ جو مرتبے میں ہو اور جو پیسے میں ہو' جس کے پاس پیسہ زیادہ ہو اور اختیار زیادہ ہو۔ جو آدمی جس جگہ پر Rank اور Authority اور پیسہ لے کر بیٹھا ہوا ہے اُس نے اوپر یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ اللہ کے فضل سے مجھے حاصل ہوا۔ اور اصل میں یہ ہے کیا؟ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے علاوہ کوئی بات ہے۔ تو فرعونی عمل جو ہے اُس کا لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے اعتقاد کی Harvest ہے' حالانکہ یہ اعتقاد کے علاوہ ہے۔ لہٰذا غریب آدمی جو ہے وہ یہ کہتا ہے کہ ہم نے اسلام سے کیا لینا ہے اور اسلام نے ہمیں کیا دینا ہے۔ اسلام جو ہے یہ پیغمبروں کے ذریعے آیا اور پیغمبروں کے ذریعے دولت تقسیم نہیں ہوئی بلکہ ایمان تقسیم ہوا۔ اب آپ یہ غور کرو کہ ایمان اور دولت میں کیا فرق ہے۔ پیغمبر تو یہ کہتے تھے کہ اگر تمہارے پاس پیسے ہیں تو لے آؤ' کیونکہ دشمن کے لیے تلوار خریدنی ہے۔ وہاں پیسہ کبھی ہوا اور کبھی نہ ہوا۔ مطلب یہ کہ عقیدہ جو ہے وہ وسائل کے مہیا کرنے کی Guarantee نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے' اور دوسرا اہم یہ غور کرتے ہیں کہ ہمارا جو عقیدہ ہے اور اعتقاد ہے وہ اللہ کے قرب کا دعویٰ ہے۔ ہم قرب حاصل کرنے کے لیے عقیدہ رکھتے ہیں مگر ہمیں قرب کبھی نظر نہیں آیا۔ پھر ہم مقربین کی تلاش کرتے ہیں کیونکہ ہمیں تو قرب نہیں ملا۔ اس لیے جب قرب ہمیں نظر نہیں آتا تو پھر ہم مقربین کی تلاش کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں قرب نہیں ملا' ہم صرف سنتے

آئے ہیں، معاشرے سے پوچھتے ہیں، سماج سے پوچھتے ہیں، ماحول سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کے قرب کا اسلام میں دعویٰ ہے مگر ہم لوگ تو حاصل نہیں کر سکتے۔ کیا کبھی کسی نے یہ حاصل کیا ہے؟ پھر آپ کو یہ بتایا جاتا ہے کہ وُہ خانقاہ ہے، وہ مزار ہے، وہ بزرگ ہیں۔ پھر آپ اُن کی تلاش کرتے ہیں۔ اور جب آپ مقربین کو مانتے ہیں اور قرب حاصل نہیں کر سکتے تو عقیدے میں یہیں سے خرابی ہو جاتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ عقیدہ تو سب کے لیے تھا مگر آپ کو مقرّب بننے کا خیال ہی نہیں آیا بلکہ مقرّب کی تلاش کا خیال آیا۔ اگر آپ کو مقرّب مل جائے گا تب بھی آپ دنیاوی شے مانگو گے، مقرّب سے تقرّب کا فارمولا نہیں مانگو گے۔ آپ مقرّبین کی تلاش کرو گے لیکن ان سے مقرّب ہونے کی دلیل نہیں مانگو گے، فارمولا نہیں مانگو گے۔ داتا صاحبؒ کو ماننے والوں نے اُن کے مزار پر سنگِ مرمر لگانے کے بعد اور چادریں بچھانے کے بعد اوپر پنکھا لگا دیا۔ مقصد یہ ہے کہ وہ جو ماننے والا ہے وہ اپنے ہی خیال سے اس لطیف روح کے بارے میں کچھ اپنے اندازے کر لیتا ہے۔ یعنی کہ وہ اُس ذات کے اندازے کے مطابق زندگی نہیں گزارے گا بلکہ اپنے اندازے اور اپنے فارمولے کے مطابق اُس کے بارے میں سوچے گا۔ یہیں سے خرابی ہوتی ہے۔ آپ جب بھی کبھی اللہ کے قرب میں جاتے ہیں تو آپ اللہ کو اپنے فارمولے کے مطابق استعمال کرنا چاہتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ کے فارمولے میں آپ استعمال نہیں ہوتے۔ آپ کے ایمان میں یہ دِقّت ہے کہ آپ اللہ کے فارمولے میں استعمال نہیں ہوتے

بلکہ اس کو اپنے فارمولے میں استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی اللہ تعالیٰ کا تقرب ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے جو آپ کا وجود ہے وہ اللہ کے قریب ہونے سے ختم ہو جائے گا' بھسم ہو جائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ اس وجود نے اللہ کا تقرب وجودی طور پر حاصل نہیں کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ وجودی طور پر Exist ہی نہیں کرتا۔ آپ کا وجودی تقرب تو ہونا ہی نہیں ہے بلکہ یہ اعتقادی تقرب ہے۔ جب اعتقاد پختہ ہوگا تو یہ تقرّب ملے گا اور اعتقاد جو ہے یہ آپ کے اندرونی سفر کا نام ہے۔ آپ اپنا اعتقاد قوی نہیں کرتے تو نتیجہ یہ ہو جاتا ہے کہ آپ اللہ کو Externally تلاش کرتے ہیں اور Internally اُس سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لیے آپ یہ غور کریں کہ آپ کا اللہ کا سفر کوئی بیرونی سفر نہیں ہے بلکہ یہ ایک اندرونی سفر ہے اور اسی اعتقاد کے اندر قوی اور پختہ ہونا ہے۔ آپ یہ غور کریں کہ پیغمبر کو اللہ تعالیٰ کے قرب کی اطلاع ہے' آپ سب کو بھی یہ اطلاع ہے' اللہ تعالیٰ نے جب اپنے مقرّبین کو بیان کیا تو سب سے پہلے پیغمبر ہیں جن کے بارے میں کہا کہ یہ میرے مقرّب ہیں اور ان کے ذریعے میں اپنا علم دنیا میں بھیجتا ہوں' یہ دنیا کو تعلیم دیتے ہیں اور علم دیتے ہیں اور انسانوں میں سب سے بڑا دینی منصب پیغمبر کا ہے۔ اگر پیغمبر دنیاوی زندگی میں کمزور ہوں تو آج کے انسان کو سمجھ نہیں آئے گی کہ یہ منصب کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ پیغمبر غریب الدّیار ہیں' پیغمبر کو ٹھہرنے کی جگہ نہیں مل رہی ہے' سر پر کوئی چھت نہیں ہے' پیغمبر کے پاس کھانے کی بجائے فاقہ ہے ایک دن کا' دو دن کا یا کئی دن کا' پیغمبر دعا کرتے جا رہے ہیں

مگر دُعا کی منظوری میں دیر ہوتی جا رہی ہے، پیغمبر کا بیٹا دریا میں ڈوب رہا ہے اور اللہ کا جواب ہے کہ یہ تمہارا بیٹا نہیں ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ بیٹا ٹھیک نہیں تھا تو اللہ اُس کو ٹھیک کر دیتا اور پیغمبر کی خواہش کے مطابق اُسے چلا دیتا۔ پھر یہ بھی ہوا کہ ایک پیغمبر کنوئیں میں گر گیا اور دوسرے پیغمبر کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے دعا تو مانگی ہو گی کہ میرا بیٹا جلد ملا دے مگر بیٹا ملا بھی تو سالوں کے بعد ملا اور یہ قصہ اللہ کو بہت پسند ہے کہ بڑا پیارا قصہ ہے۔ باپ بیٹا دونوں ہی بے قرار ہیں، اس لیے یہ ایک پیارا قصہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ایک پیغمبر ہیں اور انہیں اللہ کے تقرّب کا علم ہے۔ مگر ایک اور آدمی آ جاتا ہے جس کو زیادہ معلوم ہے۔ یہ اللہ کریم کا اپنا بیان ہے کہ موسیٰؑ میرے پیغمبر ہیں، اُن کے پاس بڑا علم ہے اور ہم اُس سے ہم کلام ہوا کرتے تھے۔ اپنے پیغمبر سے ہم کلام ہونا اور پھر ایک اور بندہ آ جانا جس کے پاس ایسا علم کہ وہ پیغمبر کو کہتا ہے کہ تو اس بات کو نہیں سمجھتا۔ یعنی کہ ایک آدمی جو پیغمبر نہیں ہے وہ پیغمبر کو یہ کہہ رہا ہے کہ یہ بات آپ کی سمجھ سے باہر ہے، آپ علیحدہ ہو جائیں اور ہم علیحدہ ھٰذا فراق بینی و بینکم یعنی یہ تیرے میرے درمیان جدائی ہے، تیری سمجھ میں نہیں آتی کہ بات کیا ہے۔ پیغمبرؑ بے تاب ہو گئے کہ سمجھ نہیں آتی کہ بچہ کیوں مار دیا، کشتی کیوں توڑ دی اور پیغمبر کو کدال پکڑا دی کہ چلو گارا بناؤ اور دیوار بناؤ۔ وہ آدمی کتنے علم والا ہو گا جو وقت کے پیغمبر کو، جو کہ صاحبِ کتاب ہے اور رسول ہے، کہتا ہے کہ ہم گارا بناتے ہیں اور دیوار بناتے ہیں۔ اُس نے پیغمبر کو ڈیوٹی پہ

لگا دیا' کام پہ لگا دیا۔ یہ کیسا علم تھا اور کیسی بات تھی؟ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی پیغمبر ہیں اور ایک پرندے کے پاس علم زیادہ ہے یعنی ہُد ہُد کے پاس' وہ آ کے کہتا ہے کہ ایک ایسا واقعہ ہے۔ حالانکہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہواؤں اور فضاؤں کے بادشاہ ہیں مگر ایک پرندہ آ کے کہتا ہے کہ وہاں ایسا حسن ہے اور ایسی خوب صورتی ہے' جو اُن کے علم میں نہیں ہے۔ وہ تخت کو لانا چاہتے ہیں مگر قدرت نہیں ہے اور قدرت رکھنے والا ایک آدمی پاس ہی بیٹھا ہے جو کہ کئی سالوں سے خاموش ہے' وہ بولا کہ یہ کوئی مشکل کام نہیں' پھر پلک جھپکنے میں تخت حاضر کر دیا۔ وہ شخص اُن کے پاس ہی بیٹھا تھا' ان کا مرید ہی ہوا' اس کو کنٹرول کرنے کی قوت ہے مگر تخت کو لانے کی قوت نہیں ہے' تو پیغمبر کا کمال یہ ہے کہ جنات کو اور قوتوں کو کنٹرول کیا مگر خود قوت استعمال نہیں کی۔ اپنے پاس قوت رکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ قوی کو اپنے پاس رکھو۔ کمال یہ ہے! جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ قوی کو اپنے پاس رکھتے ہیں مگر قوت نہیں رکھتے تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ غنی کو اپنے پاس رکھتے ہیں اور خزانہ اپنے پاس نہیں رکھتے۔ پیغمبرؐ کا کمال یہی ہے کہ صدیقؓ کو اپنے پاس رکھتے ہیں اور اپنی پرواہ ہی نہیں' اُن کو اختیار دیا کہ وہ جو کچھ کہتے جائیں' کسی کو شجاعت دے دی گئی' قوت دے دی گئی' پیغمبرؐ کی موجودگی میں اس قلعے کو کون فتح کرے گا؟ اس قلعے کو حیدرِ کرارؓ فتح کرے گا۔ حالانکہ قوت دینے والے آپؐ ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ Distribution ہے ...... میں کہنا چاہتا ہوں کہ پیغمبروں کے ہاں بھی دنیاوی طور پر حالات میں کمی بیشی رہتی ہے لیکن اُن کا

مرتبہ سب سے بلند رہتا ہے۔ پیغمبروں کی عام زندگی کا اگر آپ مشاہدہ کرو تو اُنہوں نے اپنے ماننے والوں کے مقابلے میں اپنی زندگی کا معیار بلند نہیں رکھا۔ یعنی کہ یہ نہیں کیا کہ چونکہ وہ پیغمبر ہیں تو اُن کا مکان بہت بلند ہونا چاہیے۔ اپنے ماننے والوں کے مقابلے میں انہوں نے اپنی زندگی کا معیار بلند نہیں رکھا جب کہ اُن کا مرتبہ ہمیشہ ہی بلند ہے۔ ایمان کی تعریف یہی ہے کہ تقرّب ہو اور دنیاوی طور پر اس کا ظہار نہ ہو' اظہار نہ کیا جائے آپ لوگ ایمان کو یا ایمان کے حصول کو آرزوؤں اور دنیاوی خواہشات میں Convert کرنا چاہتے ہیں مگر یہ چیک کیش نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کہ میں نے دو لاکھ دفعہ درود شریف پڑھا مگر کار ابھی بھی نہیں ملی۔ اب آپ اندازہ لگاؤ کہ درود شریف کا کار سے کیا تعلق' درود شریف کا تعلق تو منظوری سے ہے اور تیری عاقبت بہتر ہو جائے گی' تُو درود شریف کو دنیاوی خواہشات میں کہاں لے آیا۔ یہاں سے انسان اُکھڑ گیا' کہ میں نے بڑی نمازیں پڑھی ہیں مگر کام نہیں ہوا۔ حالانکہ نماز تیرا فرض ہے اور اگر وہ نماز پڑھنے کی توفیق عطا کر دے تو تُو سمجھ لے کہ تیری عاقبت بن گئی۔ تو یہ نہ کہنا کہ بڑی نمازیں پڑھی ہیں مگر مسئلہ حل نہیں ہوا۔ یہ نماز سے مسئلہ حل کرنے کی بات نہیں تھی' اس لیے اگر وہ مسئلہ حل نہیں ہوا تو اللہ کرے تیرا مسئلہ حل ہی نہ ہو۔ مقصد یہ ہے کہ وہ مسئلہ نماز کے ساتھ تعلق ہی نہیں رکھتا۔ نماز کی بات تو یہ ہے کہ اگر تجھے نماز پڑھنے کی فرصت مل جائے تو یہ بڑا ہی تعلق ہے' تجھے اگر قرآن شریف پڑھنے کی خواہش پیدا ہو جائے تو تیرے لیے یہ بڑی عاقبت ہے اور اگر تو اپنے ایمان پر خود

ہی ایمان لے آئے، خود ہی اپنے آپ کو کلمہ پڑھائے تو یہ تیرنے لیے بہت کافی ہے۔ تو جس کو ایمان سمجھتا ہے ابھی وہ ایمان نہیں آیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو ایمان لے آؤ اور تم ایمان والے ہونے کی حیثیت سے ہر روز اپنے آپ سے کہو کہ آؤ ہم ایمان لے آئیں۔ اپنے ایمان پر ایمان لاؤ اور اپنے ایمان پر پختہ یقین رکھو کیوں کہ تمہارے لیے عاقبت کا راستہ ہی ایمان ہے۔ جہاں تم نے اپنے ایمان پر شک کیا تو پچھلی عبادت بھی ضائع ہوگئی اور آگے بھی کچھ نہ ملے گا۔ اس لیے آپ سب سے پہلے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر کے، اپنے آپ میں یہ اعلان کر لیں کہ ہم اللہ پر یقین رکھتے ہیں، ہم اس کا کلمہ پڑھتے ہیں، ہم مسلمان ہوتے ہیں، ہم اسلام میں کلمہ پڑھ کے داخل ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور عبادت کے لائق نہیں، معبود نہیں اور حضور کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ یہ اتنا سارا حکم ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ___ جب آپ نے یہ مان لیا تو اب جو ہو سو ہو وہ مسلمان ہونے سے ہو، اگر غریبی آئے تب بھی مسلمان ہونے کی حیثیت سے برداشت کرنا سیکھو اور اگر امیری آئے تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ جب پیسے آئیں تو انہیں یوں تقسیم کرو۔ زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ اس سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں، زکوٰۃ لینے والا بھی رہے گا اور دینے والا بھی رہے گا۔ کیا بات سمجھے؟ زکوٰۃ کا لفظ یہ ثابت کرتا ہے کہ کوئی لینے والا بھی رہے گا اور دینے والا بھی رہے گا اور دونوں مسلمان ہونے چاہییں۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں

دولت مند بھی رہے گا اور غریب بھی رہے گا۔ آپ امیری کو غریبی میں Convert کرانے کے لیے اسلام کو استعمال نہ کرو، غریبی کو امیری میں بدلنے کے لیے اسلام کو استعمال نہ کرو اور اسلام کو کسی اور بات میں استعمال نہ کرو سوائے اس کے کہ یہ تمہارے پاس عافیت کا ایک پاسپورٹ ہے، یہ تمہاری عاقبت کے لیے ایک معرکہ ہے اور یہ تمہارے پاس اس گروہ میں شامل ہونے کا ذریعہ ہے جس گروہ کے سربراہ حضور پاک ﷺ ہیں۔ بس اس گروہ میں شامل ہونے کی آپ کے پاس ایک ضمانت ہے۔ اس کے علاوہ آپ اس کو اور تجویزیں پیش نہ کرو اور ہمت کے ساتھ کام کرو، جب دریا آئے تو تیر کے گزرو یا کشتی لے لو۔ زندگی میں ہمت سے کام تو کرو۔ آپ میں ہمت ہے نہیں، صرف دعاؤں سے تو دریا کراس نہیں ہوتے۔ یا پھر زندگی ایسی ہو کہ کچھ لوگوں نے دریا کراس کیا، بغیر کسی ہمت کے کیا، دعا کے ساتھ کیا، تو ان کی زندگی ختم ہو چکی تھی۔ ایسا آدمی زندگی کی ضرورت سے نکل چکا تھا، ضرورتیں تو دعا سے پوری ہوتی ہیں مگر اس کی ضرورت ہی کوئی نہیں رہی۔ جس آدمی کو ضرورت ہی نہ ہو تو اس کی دعا اگر پوری ہو تو پھر کیا پوری ہو۔ جتنے بھی مقامات ہیں، جب بھی لوگوں کو تقرّب الٰہی ملا، اس وقت تقرّب ملا جب دنیاوی خواہشات کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ورنہ تو وہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کو استعمال کرنا شروع کر دے گا، اللہ کریم کے تقرّب کی وجہ سے پہلے اپنے گھر کو بہتر کر لے گا اور اپنے ماحول کو بہتر کر لے گا۔ آپ وہ تقسیم کر ہی نہیں سکتے جو اللہ کریم نے کی ہوئی ہے۔ اس لیے تقرّب کی تعریف یہ ہے کہ جب آپ کو اللہ کا

تقرّب ملے تو آپ حالات میں Change کی تجویز پیش نہ کرو۔ تبدیلیٔ حالات جو ہے یہ آپ کی اپنی کوشش سے ہو اور دعا سے ہو لیکن یہ اللہ کے تقرّب کے دم سے نہ ہو، کہ اللہ کا قرب حاصل ہو گیا تو اس آدمی نے اپنے کاروبار شروع کر دیے۔ وہ کہے گا کہ اللہ کا قرب مل گیا ہے، کاروبار چمک اُٹھا ہے لیکن جس کو اللہ کا قرب مل گیا اس کا پچھلا کاروبار بھی اللہ کے حوالے ہو گیا۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ کی بڑی مہربانی ہے، کاروبار بند ہو گیا ہے، اب اللہ ہے اور ہم ہیں، دو ہی تو ہیں، دوکان میں ہیں، نہ کوئی گاہک ہے نہ سامان ہے، بس ایک اللہ ہے اور ایک ہم ہیں۔ تو یہ تقرّب کی قسمیں ہیں۔ بعض اوقات لوگ دعاؤں میں یہ گستاخی کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے وہ آرزو مانگتے ہیں جس آرزو کے ذکر سے بھی اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہوا ہے۔ آپ کے لیے جو ممنوعہ چیزیں ہیں، آپ کے لیے جو ناپسندیدہ چیزیں ہیں، ان کی آپ خواہش کرتے ہیں، برملا کرتے ہیں کہ دعا میں کرتے ہیں۔ شکر کرو کہ گرفت نہیں ہوتی۔ آپ جو کچھ مانگتے رہتے ہیں اگر اس کا آپ Openly اظہار کریں تو پتہ چلے گا کہ آپ بہت ساری ناروا خواہشات مانگتے ہیں، اور وہ بھی اللہ سے مانگتے ہیں۔ اس لیے یہ سوچنا چاہیے کہ آپ اعتقاد کو کہاں تک لے جا چکے ہیں، کہ اعتقاد کے ذریعے ناروا خواہش کو پورا کرنے کا آپ مانگتے ہیں، اعتقاد اللہ پر ہے اور آپ دنیا مانگتے ہیں، دین سے دنیا مانگ رہے ہیں۔ آپ آخرت کے اور عاقبت کے مسافر ہیں مگر یہاں کا قیام مانگ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو سادہ کر دیا کہ یہاں سے تم نجات پا جاؤ مگر تم

یہاں نجات پانے سے گریز کررہے ہو' یہاں پہ ٹھہرنے کا پروگرام بنارہے ہو۔
دین نے یہ کہا کہ تم رَمل اور عمل سے گریز کرلو' مستقبل بینی سے گریز کرو کہ یہ
ہوجائے گا' وہ ہوجائے گا' وہ کبوتر اُڑ جائے گا' آپ کا یہ لکی نمبر ہو جائے گا' یہاں
پر یہ داؤ ٹھیک ہوجائے گا' وہ گھوڑا جیت جائے گا۔ ان سب باتوں سے اسلام نے
منع کیا ہے' ایسے اعمال جن کا تعلق چانس کے ساتھ ہے وہ منع ہیں' مگر آپ اُس
کے اوپر چل پڑے ہو' کسی کے پاس جاتے ہو کہ میرا کیا ہوگا' تجھے موت آ جائے
گی اور کیا ہوگا۔ تم پوچھتے ہو کہ مستقبل میں میرا کیا ہوگا' مستقبل اگر Tomorrow
کا یا کل کا نام ہے تو پھر اُس کے بعد آنے والے وقت کا کیوں نہیں پوچھتے کہ میرا
کیا ہوگا۔ کل تو جو ہوگا سو ہوگا' ہم آپ کو اُس سے آگے کا بتاتے ہیں کہ آپ کے
ساتھ کیا ہوگا اور یہ بھی بتاتے ہیں کہ آپ کے جانے کے بعد کیا ہوگا۔ تو ہم وہ بھی
بتاتے ہیں۔ اگر پوچھنا ہے تو یہ پوچھ کہ تیری آخرت کے وقت کیا ہوگا جو کہ تمہارا
اگلا دن ہے۔ اس لیے یہ نہ پوچھ کہ کل کیا ہوگا بلکہ یہ پوچھ کہ پرسوں کیا ہونے والا
ہے اور تیرے بعد کیا ہوگا' تجھ سے پہلے یہاں کیا تھا' نہ تجھ سے پہلے زندگی میں
کوئی کمی تھی اور نہ تیرے بعد کوئی کمی ہوگی۔ نہ تیرے آنے سے ویرانیوں میں کمی
آئی ہے اور نہ تو آبادیوں میں اضافہ کر گیا ہے۔ تو یہ سوچ کہ تجھے اللہ نے جو
ایمان عطا فرمایا' وہ اپنے نبیؐ کے ذریعے' اپنے نیک بندوں کے ذریعے اور
تمہارے ماں باپ کے ذریعے عطا فرمایا' تو اس کا شکر ادا کرتا جا' اپنی ہمت کرتا
جا' محنت کرتا جا' جو مل جائے اس پر شکر ادا کرتا جا ___ یہ نہ ہو کہ اگر اللہ کریم کا

قرب مل جائے تو تم اللہ سے وہ چیزیں مانگتے جاؤ جو اس نے منع کی ہیں۔ تم یہ مانگتے ہو کہ یا اللہ کسی منسٹر سے واقفیت ہو جائے' یا اللہ پیسہ دے دے۔ کتنا پیسہ ہو؟ جتنا فرعون کو دیا تھا اور عاقبت کون سی ہو؟ موسیٰ علیہ السلام کی۔ زندگی فرعون کی ہو اور عاقبت موسیٰ علیہ السلام کی' یہ بات جو تم مانگتے ہو یہ غلط ہے۔ آپ یہاں سے رخصت ہونے والے ہیں لیکن آپ یہاں قیام مانگ رہے ہیں۔ اس لیے اے مسلمانو! اپنے ایمان کو اور قوی کرو اور اپنے باطن کا سفر اور مضبوط کرو اللہ پر پختہ یقین کرو۔ آپ کا اللہ جو ہے وہ دعا کے پورا ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ آپ کے یقین کا نام ہے۔ آپ کی آج کل کی دعا آپ کی محرومئ ہمت ہے۔ دعا کیا ہے؟ دشمن گھر جا کے مر جائے۔ کیوں مر جائے؟ تیری کمزوری جو ہے یہ دعا بن گئی ہے' کہ دشمن مر جائے' دشمن تباہ ہو جائے۔ پرانے زمانے میں کہتے تھے کہ جرمنی کی توپوں میں کیڑے پڑ جائیں۔ کبھی توپوں میں بھی کیڑے پڑے ہیں؟ اس لیے آپ ہمت کرو۔ اپنے آپ کو مضبوط کرو' اپنے اعتقاد کو پختہ کرو اور یقین کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکو' کہ اس نے جھکنے کا موقع عطا کیا۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے جھکنے کا موقع عطا کیا۔ اس لیے یہ نہ کرنا کہ ہر نماز کے بعد کوئی نہ کوئی شے مانگنا شروع کر دو۔ یہ کہو کہ یا اللہ سب تیرا فضل ہے' تو مہربانی کر' میری نماز کو قبول فرما۔ یہ دعا کافی ہے' بجائے اس کے کہ آپ کوئی اور ہی دعا کرتے جائیں۔ آپ یہ دیکھو کہ اللہ کریم نے آپ کے ساتھ دعا کے بغیر کیا کیا کام کیا' آپ کو زندگی دی جو کہ آپ نے نہیں مانگی' آپ کو تمام اشیاء دیں جو آپ نے نہیں مانگی' ماں باپ

دیے جو مانگے نہیں، چہرہ دیا جو نہیں مانگا' بینائی عطا کی جو آپ نے مانگی نہیں' آپ کو عقل دی' شعور دیا' زندگی دی' اسلام دیا' ایمان دیا جو کہ آپ نے نہیں مانگے۔ یہ سب مانگے بغیر دیا۔ کیا وہ آپ کو مانگے بغیر روٹی نہیں دے گا۔ جب کہ اتنا کھا کھا کہ تم بوڑھے ہو گئے ہو' کیا اب وہ اور نہیں دے گا۔ مقصد یہ ہے کہ جب اتنا عرصہ گزر گیا' آدھی سے زیادہ زندگی جب گزر گئی ہے' اب آپ کو باقی زندگی کا خطرہ کیا ہے' سوائے ایمان کی کمزوری کے۔ اب آپ کو جو خطرہ ہے وہ صرف ایمان کی کمزوری ہے۔ اب اور خطرہ کوئی نہیں ہے۔ اس بات پہ غور کر لو کہ جس کو آپ خطرہ کہہ رہے ہو وہ ایمان کی کمزوری ہے۔ آپ اپنے ایمان کو قوی کر و تو خطرہ کوئی نہیں ہے۔ زندگی جیسے گزر رہی ہے یہ اللہ کا فضل ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ غافل ہو جائے۔ نعوذ باللہ۔ اگر غافل ہو جائے تو ہوسکتا ہے کہ کسی کو موت سے چھوڑ دے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی آدمی اللہ کو بھول گیا اور اب وہ مرتا نہیں ہے۔ یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی آدمی چھپ جائے اور موت سے بچ جائے۔ نہ تم چھپ سکتے ہو اور نہ تم بچ سکتے ہو' نہ وہ تمہارے حال سے غافل ہے۔ لہٰذا وہ خود بخود ہی کام کر رہا ہے۔ آپ گھبراؤ ہی ناں۔ اس لیے اللہ کریم خود ہی مہربانی کر رہا ہے' خود ہی اُس نے آپ کو انسان بنایا ہے اور خود ہی سب انتظام کر رہا ہے۔ یہ اس کا فیصلہ ہے کہ **وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا** زمین پر کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے پاس نہ ہو۔ اس کے پاس رزق ہے اور وہی مہربانی فرمائے گا۔ آپ اپنے ایمان میں نقص کر بیٹھے ہو۔

آپ کا رزق اس طرح نہیں بڑھتا اور نہ کم ہوتا ہے۔ جو کچھ آنا ہے وہ تو آئے گا۔ اس لیے آپ یقین کے ساتھ پہلے یہ کہو کہ یا رب العالمین ہمیں آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے اور وقتی طور پر یہ جو حالات کی تنگی ہے یہ بھی ہمیں منظور ہے' اگر ہمارے حالات بہتر ہو جائیں تو وہ بھی ہمیں منظور ہے' ہمیں آپ کا ہر فیصلہ دل سے قبول ہے۔ جب اعتقاد قوی ہو جائے گا تو قوت پیدا ہو جائے گی اور قوت سے آپ کا عمل جو ہے وہ قوی ہو جائے گا' حالات کھلتے جائیں گے۔ حالات تو کھل جائیں گے۔ اب حالات اس لیے نہیں کھل رہے کیونکہ آپ پس ماندہ ہو گئے ہیں' آپ بجھ چکے ہیں' آپ کا Confidence جو ہے وہ Shatter ہو گیا ہے کیونکہ آپ کو اپنے ایمان میں ہی نقص نظر آ رہا ہے۔ اس لیے دعا یہ کرو کہ آپ کا اپنے ایمان پر ایمان آ جائے۔ اور یہ بڑی ضروری بات ہے۔ اپنے ایمان پر اگر آپ غرور نہیں کرتے تو فخر ضرور کیا کرو۔ یہ کہا کرو کہ یا اللہ ہمیں خوشی ہے کہ ہمیں یہ ایمان ملا اور ہم اس پر بہت مطمئنہ ہیں۔ اور ہم راضی ہیں۔ اب اللہ کا تقرّب کیا ہے؟ آپ کا ایمان۔ میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ اللہ کا اور ثبوت کوئی نہیں ہے سوائے اس کے کہ آپ کی پیشانی سجدے میں ہو۔ صرف یہی ثبوت ہے۔ اور اب بھی اللہ پر ایمان لانے کا ثبوت کیا ہے؟ کہ آپ کے پاس ایمان ہے۔ تو آپ اپنے ایمان کو کمزور نہ ہونے دو اور اپنے ایمان کو شک سے بچاؤ ——

اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اپنے ایمان کو شک سے بچاؤ' اپنے

آپ پہ شک نہ کرو۔ میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ اللہ کریم کا بار بار ارشاد ہے کہ تم میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ میں نے اس کا ترجمہ کر کے آپ کو بتایا تھا کہ رحمت سے مایوس ہونے کا مطلب کیا ہے؟ کہ اپنے مستقبل سے، مایوس نہ ہونا۔ آپ جب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کل جو چاہے وہ کر سکتا ہے' اب بھی جو چاہے وہ کر سکتا ہے تو پھر آپ جو اندیشہ کر رہے ہو کہ کل کا پتہ نہیں کیا ہونا ہے' کچھ نہیں ہونا — اب آپ اپنے آپ کو ایک نیا مستقبل دے رہے ہو۔ یہ جو Fear پیدا ہو رہا ہے وہ Hope کی جگہ پر پیدا ہو رہا ہے یعنی جہاں اُمید پیدا ہونی تھی وہاں ڈر پیدا ہو گیا۔ گویا کہ آپ اللہ تعالیٰ کو ایک قسم کا Stay Order کر رہے ہو کہ یہاں یہ واقعہ نہیں ہو سکتا۔ ڈر کا مطلب کیا ہے؟ کہ حالات ٹھیک نہیں ہیں' حالات محنت کے بغیر ٹھیک نہیں ہوتے' خود بخود پیسے کہاں سے آئیں گے جب آپ کو یہ یقین ہے کہ حالات محنت سے ٹھیک ہوتے ہیں تو پھر محنت ئی می کو دور کر۔ اور اگر اللہ کے فضل سے ٹھیک ہونے ہیں تو پھر تجھے کیسے پتہ ہے کہ کل ٹھیک نہیں ہونے۔ پھر تو تجھے یقین ہونا چاہیے۔ حالات کیسے ٹھیک ہوتے ہیں؟ جیسے ابھی دھوپ ہو اور ابھی بارش ہو جائے۔ اللہ جب فضل کرنے پہ آ جائے تو بارش ہو جائے گی۔ اور ایسے ہوتا ہے! اگر آپ کا ایمان قوی ہو تو آپ کو یقین ہونا چاہیے کہ اگلے لمحے آپ کے حالات ٹھیک ہونے والے ہیں۔ جتنا آپ کا ایمان قوی ہو گا اس کے اندر وہ امکان بھی پیدا ہو جاتا ہے اور وہ واقعہ بھی ہو جاتا ہے۔ اچانک ایک آدمی آتا ہے اور آپ کے حالات کو بدلتا ہوا پاس سے گزر جاتا

ہے۔آپ بتاؤ ایسے ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا؟ اچانک ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا؟ اس کا کوئی سبب ہوتا ہے؟ نہیں' وہ بے سبب ہی ہوتا ہے۔صرف یقین کو پختہ کیا تھا اور پھر یقین کے پختہ ہونے میں حالات کیسے ہو گئے؟ خود بخود ہی ٹھیک ہو گئے۔ حالات کو بدلنے والا سبب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔اور اچانک ہی ایسے ہو جاتا ہے اور پھر حالات کہاں سے کہاں نکل جاتے ہیں۔اس لیے آپ اپنے یقین کو قوی کرو اور پختہ کرو___

میں آپ کو یہ بات بتا رہا تھا کہ مقربین کی تلاش کو فیشن نہ بنالو' بلکہ مقرّب بنو۔مقرّب سے مراد کیا ہے؟ وہ جو آپ کا پہلے زمانے کا ایمان تھا اُسے دوبارہ زندہ کرو' اور اپنی تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاؤ' پھر ایک بار اس کے قریب ہو جاؤ۔اللہ کے بندوں کا قرب بڑی اچھی بات ہے لیکن وہ اس لیے اچھی بات ہے اگر آپ کو اللہ کا تقرّب ملے۔اللہ کے بندوں سے دنیاوی راستے مت پوچھو بلکہ صرف تقرّب کی راہ پوچھو۔اب میں نے کیا کہا ہے کہ مقرّب سے کیا پوچھنا ہے؟ اس سے راہِ تقرّب پوچھو۔مقرّب سے راہِ تقرب اس لیے پوچھو تاکہ آپ کو تقرّب ملے۔تقرّب یہ ہے کہ آپ کا اپنے ایمان پر ایمان رکھنا' اپنے ماں باپ کا مرتبہ عزت کے ساتھ قائم رکھنا' اپنے حالات کو اللہ کا فضل سمجھنا۔اس کے فضل کا راستہ کوئی نہیں روک سکتا' آپ اپنے ایمان پر قائم رہو' وہ اپنے فرض پورا کرتا جائے گا۔فکر نہ کرو۔اس لیے الجھن کی کوئی بات نہیں ہے۔اس رزق سے بچو جو گرفتار ہی نہ کرا دے۔بچوں کی ایک بڑی مشہور کہانی ہے۔ایک بارہ سنگھا

تھا' اس کو اپنی ٹانگیں ناپسند تھیں اور سینگ بڑے پسند تھے کہ وہ پیارے ہیں۔ ایک دن وہ سینگوں کی وجہ سے پھنس گیا تو ٹانگوں نے اس کو نجات دلائی' جب شکاری آیا تو دوڑ لگائی اور بھاگ گیا۔ جب وہ الجھا تو اپنے خوب صورت سینگوں کی وجہ سے۔ تمہارے سینگ ہیں تمہاری عقل کی باتیں۔ جب بھی تُو پھنستا ہے تو اپنی عقل کی وجہ سے پھنستا ہے اور جب حالات سے بچتا ہے تو اپنے ایمان کی وجہ سے بچتا ہے۔ اس لیے اپنے آپ پہ' اپنی عقل پہ بھروسہ نہ کرو' یہی آپ کو پھنسا دیتی ہے۔ اپنی عقل کو چھوڑ دو اور اللہ کے فضل کی بات کرو' رجوع کرو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا۔ مثلاً ایک آدمی کے پاس دولت ہے اور جھوٹ ہے۔ اس کے پاس دولت بھی ہے اور وہ جھوٹ بھی بولتا ہے' وہ دولت کسی کو خیرات بھی نہیں کرتا یعنی کہ ظالم بھی ہے۔ امیر آدمی بخیل تو ضرور ہی ہو جاتا ہے' کنجوس بھی ہو جاتا ہے اور اس میں کتنی ہی برائیاں اور بیماریاں آجاتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں اس کا ایک بھائی غریب ہے اور نیک ہے اور اپنی عبادت کرتا جا رہا ہے۔ آخرت کے حوالے سے جو غریب ہے اگر وہ نجات پا گیا اور امیر گرفت میں آ گیا تو وہ دولت کس کام کی جو اس کے سینگ بن گئے' جنہوں نے اُسے گرفتار کرا دیا۔ میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ زندگی کے ہر حال میں' چاہے غریبی ہو' امیری ہو' بچپن ہو' جوانی ہو' ہر حال میں تقرب کی راہ ہے۔ اگر آپ غریب ہیں تو اللہ کا قرب حاصل کرو۔ آج اللہ تعالیٰ کو ماننے والا غیر اللہ سے ڈرتا ہے' یہ ایمان کی کمزوری ہے۔ کہتا ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ کوئی شیر میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ یہ غیر اللہ ہے۔

اللہ سے ڈرنے والا تین باتوں کا پورا یقین رکھے۔ میں یہ بار بار کہتا آ رہا ہوں۔ نمبر وَن یہ کہ زندگی کے دن مقرر ہیں اور کون سے گھڑی آپ نے یہاں دنیا کو چھوڑ جانا ہے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ یہاں Overstay کا کوئی مقام نہیں ہے۔ آپ کو بات سمجھ آئی؟ اگر وہ مقام کسی پیغمبر پر آئے گا تو وہ یہاں سے رخصت ہو جائے گا، کسی ولی پر آئے گا تو وہ رخصت ہو جائے گا، دنیا دار پر آئے گا اور کافر پر بھی وہ مقام آئے گا، جب بھی وہ گھڑی آئی تو وہ یہاں سے موڑ مڑ گیا۔ پھر کدھر چلا گیا؟ نا معلوم دنیا میں چلا گیا۔ یہ کام مقرر ہو چکا ہے۔ دوسرا یہ کہ رزق مقرر ہو چکا ہے۔ یہ ایسی زندگی ہے کہ جب اس کو بھیجا گیا تو اس کے ساتھ اُس کا رزق بھیجا گیا۔ اس لیے ایمان کے طور پر اپنے رزق کا کوئی اندیشہ نہ کرو۔ آپ کا ایمان ہو کہ جب آپ کو زندگی ملی ہے تو اس زندگی کا رزق مقرر ہے۔ محنت جو ہے یہ آپ کی مجبوری ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو محنت کرا دیتا ہے۔ بعض اوقات وہ محنت سے دیتا ہے اور بعض اوقات وتـرزق من تشاء بغیر حســاب ۔ جب وہ دینے پہ آ جائے تو بغیر حساب ہی دے دے۔ بغیر حساب کا معنٰی ہے جب آپ کی محنت نہ ہو۔ اس طرح وہ بغیر حساب نیکی دیتا ہے اور پھر وہ کبھی کبھی کسی کے گناہ معاف فرما دیتا ہے، عاقبت اچھی کر دیتا ہے۔ یہ الگ باتیں ہیں ___ رزق مقرر ہو چکا ہے اور یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ تیسری بات یہ کہ عزت اور ذلّت بھی اللہ کی طرف سے ہے وتعز من تشاء وتذل من تشاء۔ تیرا عمل جو ہے وہ تیرے لیے عزت کا باعث نہیں ہے، عزت اللہ کی طرف سے

ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایک آدمی بہت ہی نیک ہو اور دنیا سے بہت ہی بدنام ہو کے گزر جائے۔ آپ کو اس بات پہ تعجب ہو رہا ہو گا لیکن یہ تعجب کی بات نہیں ہے' پیغمبروں پر جیل آ گئی۔ یہ تعجب کی بات نہیں ہے' یوسف علیہ السلام بڑے محبوب پیغمبر تھے' جیل بھی ہو گئی اور جیل کے ساتھ الزام بھی آ گیا۔ حالانکہ نہ الزام صحیح ہے اور نہ جیل صحیح ہے۔ دونوں ہی تقرب ہیں۔ اللہ اس الزام کو خود ہی بیان کر رہا ہے کہ ہم قریب تھے اور ہم ہی بچانے والے ہیں' ہم ہی مہربانی کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے یوسف علیہ السلام کہتے ہیں کہ **قال معاذاللہ** ہم تو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور اللہ بچانے والا ہے۔ جیل کے اندر ان کو **تاویل الاحادیث** یعنی خوابوں کی تفسیر بیان ہو رہی ہے' اللہ تعالیٰ کا قرب بیان ہو رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا تقرب مل جائے تو پھر نہ کوئی جیل ہے اور نہ کوئی کھلا میدان ہے۔ تو مقرب کو ہر حال میں تقرب ملتا ہے۔ دنیادار یہ شرط لگاتا ہے کہ پہلے میرے حالات بہتر کر' پھر تقرب ہو جائے گا۔ اس لیے اس بات سے اپنے ایمان کو نکالو اور ایمان سے یہ بات نکال دو کہ تقرب جو ہے وہ حالات کے ساتھ مشروط ہے۔ حالات کچھ بھی ہوں' آپ کو اللہ کا تقرب ملے گا۔ اب دعا یہ کرو کہ آپ کو اپنی موجود زندگی پسند آئے۔ جس شخص کو اپنی زندگی پسند نہیں ہے وہ اللہ پر یقین نہیں رکھے گا۔ اللہ پر جس کا ایمان ہے اس کو یہ زندگی پسند آتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو اس کو اپنے چہرے پہ گلہ نہیں ہو گا جو کہ اللہ کا بنایا ہوا ہے' اس کو زندگی سے کوئی گلہ نہیں ہو گا کیونکہ یہ اللہ کی بھیجی ہوئی زندگی ہے۔ جس

آدمی کو اپنی زندگی میں قدم قدم پر شکایتیں ہیں، سمجھو کہ وہ خالق کے عمل کو نہیں مان رہا۔ اس کا ایمان کمزور ہو جائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے؟ اپنی زندگی پر ایمان اور اس پر خوش ہونا ـــــ

اور کوئی بات؟ کسی کو کوئی خیال آئے تو ـــــ

سوال:

اسلام کو میں اب تک جو سمجھ چکا ہوں ـــــ

جواب:

پہلے آپ اپنے آپ کو سمجھو، ہمارا مضمون صرف اپنی ذات ہے۔

سوال:

میں اپنی ذات کے حوالے سے بتاتا ہوں۔

جواب:

اپنی ذات کے حوالے سے ٹھیک ہے۔ اگر اپنی کوئی الجھن ہے تو وہ بتاؤ۔

سوال:

مجھے یہ سمجھ آئی ہے کہ اسلام تسلیم و رضا کی بات بتاتا ہے۔

جواب:

یہ تو بتانے والی بات ہے۔ آپ پوچھنے والی بات پوچھو۔

سوال:

میں اس کی تائید یا تردید نہیں کر رہا۔

جواب:

میں آپ کو بتا رہا ہوں کیوں کہ آج آپ کا پہلا دن ہے۔ اسلام میں تسلیم و رضا بھی ہے، تحقیق بھی ہے، بہت ساری باتیں ہیں۔ آپ یہ دیکھو کہ اسلام پوری زندگی ہے، ایک فقرہ نہیں ہے۔

سوال:

میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اسلام تسلیم و رضا کا مذہب ہے اور انسان اپنی زندگی میں خوش اخلاقی پیدا کر لے اور وہ تکبر سے بچ جائے تو کافی حد تک اسلام کا مفہوم اس کی زندگی میں پورا ہو جاتا ہے۔

جواب:

اسلام کے بارے میں بیانات کرنے چھوڑ دو کہ اسلام یہ ہے، اسلام وہ ہے۔ بس تیری زندگی کا نام ہے اسلام اور تُو زندگی گزار، جو سمجھ آتی ہے وہ کرتا جا، اپنے ایمان کو قوی کرو۔ ہر آدمی دوسرے آدمی کو ہر وقت ہی اسلام سمجھا رہا ہے۔ اس بات سے بچنا چاہیے۔ جو بات آپ کو سمجھ آ گئی ہے اس پر ایمان رکھو۔ سمجھانے والوں نے اسلام بڑے واضح طور پر سمجھا دیا ہے کہ یہ اسلام ہے، یہ اسلام کی زندگی ہے، یہ اسلامی معاشرہ ہے۔ بس آپ چلتے جاؤ۔ یہاں یہ حالت ہوئی پڑی ہے کہ ہر آدمی ہمہ وقت کسی نہ کسی کو کوئی نہ کوئی اسلام سمجھا رہا ہے۔ ٹی وی پر بھی اسلام سمجھا رہے ہیں۔ اب چودہ سو سال بعد اسلام سمجھا رہے ہیں۔ اسلام سمجھا دیا گیا ہے اور جو بعد کی سمجھ ہے اس کو اسلام میں سے نکال ہی دو۔ جس

دن اسلام مکمل ہوا تھا' ایمان مکمل ہوا تھا' اس دن کا اسلام کافی ہے' کہ "آج آپ کا دین مکمل ہو گیا"۔ اس وقت دین پر کوئی کتاب نہیں لکھی ہوئی تھی۔ صرف ایک کتاب تھی اور ایک کتاب بیان فرمانے والے تھے اور ایک ماننے والا تھا۔ اتنا سارا ایمان ہے۔ بس آپ باقی زندگی گزارتے جاؤ۔ اس میں لمبی چوڑی تفسیروں کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ آپ چلتے جاؤ' کتاب بھیجنے والے پر یقین کر لو' کتاب بیان فرمانے والے پر یقین کر لو اور آپ یہ بھی جان لو کہ اللہ کے علم میں ہے کہ آپ تک یہ کتاب آنی ہے چونکہ یہ پوری کائنات کے لیے ہے' اور آپ عربی نہیں جانتے۔ آپ کے لیے بھی اس میں فارمولا ہے' اس میں تمہارا ذکر بھی ہے فیہ ذکر کم اس میں تمہیں بھی سمجھنے کے لیے طریقے بتائے جائیں گے۔ میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ اعتقاد ہی اس کی تفسیر ہے۔ آپ کتاب کو لوگوں سے پڑھتے ہو اس لیے سمجھ نہیں آتی ہے۔ آپ اسے یقین سے پڑھو۔ وہی اللہ جو باقی زندگی سمجھا رہا ہے یہ بھی سمجھا دے گا۔ اس لیے زندگی میں اسلام بیان کرنے سے بچو۔ اسلام بولنے والی بات نہیں ہے بلکہ کرنے والا کام ہے۔ بولنے والی بات سے بچو اور کرنے والا کام کرو۔ اسلام میں کرنے والی جو چیز ہے وہ کر ڈالو۔ یہ چونکہ بولنے والی بات نہیں اس لیے اس سے بچو۔ یہ کرنے والا کام ہے' مثلاً کوئی مٹھائی لے آیا ہے' اسے کھا لو' شوق سے کھا لو' لانے والا شوق سے لایا اور کھانے والا شوق سے کھا لے۔ یہ کرنے والا کام ہو گیا۔ بات سمجھ آئی آپ کو؟ بس اپنے آپ کو خود ہی مطمئن کر لو۔ ایک شعر سنو ۔

کیا کیا فریب دیے اضطراب میں
ان کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

اللہ کی طرف سے آپ اپنی تسکین آپ کرلیا کرو، خود ہی۔ کوئی کہے کہ حالات تو ٹھیک نہیں ہیں تو آپ کہو کہ گھبراتا کیوں ہے، یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس طرح آپ کا ایمان قوی ہو جائے گا۔ اور اگر اللہ کے ساتھ بحث کرنے لگ گئے تو اللہ کی طرف سے جواب کون دے گا؟ تُو خود ہی دے گا۔ یہ ہے تیرا ایمان۔ اس لیے سوال بھی تو آپ ہے اور جواب بھی تُو آپ ہے۔ آپ اپنے سوال کو اپنے جواب سے عطا بنا دو۔ آپ خود ہی سوال ہو اور خود ہی جواب ہو۔ جواب دینے کے لیے اور کسی نے نہیں آنا۔ تُو ہی جواب دِہ ہے۔ اگر تُو نے نماز پڑھی، دعا مانگی اور دعا منظور نہیں ہوئی تو تُو اسلام کو چھوڑ دے۔ تُو کہے گا کہ میں اسلام کو نہیں چھوڑوں گا۔ تیری دعا تو منظور نہیں ہوئی۔ پھر تو کہے گا کہ منظور ہو جائے گی۔ اس لیے اپنے سوال کا آپ ہی جواب بن۔ اللہ سے رابطہ رکھ اور اس سے مانگ۔ وہ سب کچھ دینے والا ہے ___

وما علینا الا البلاغ المبین

O
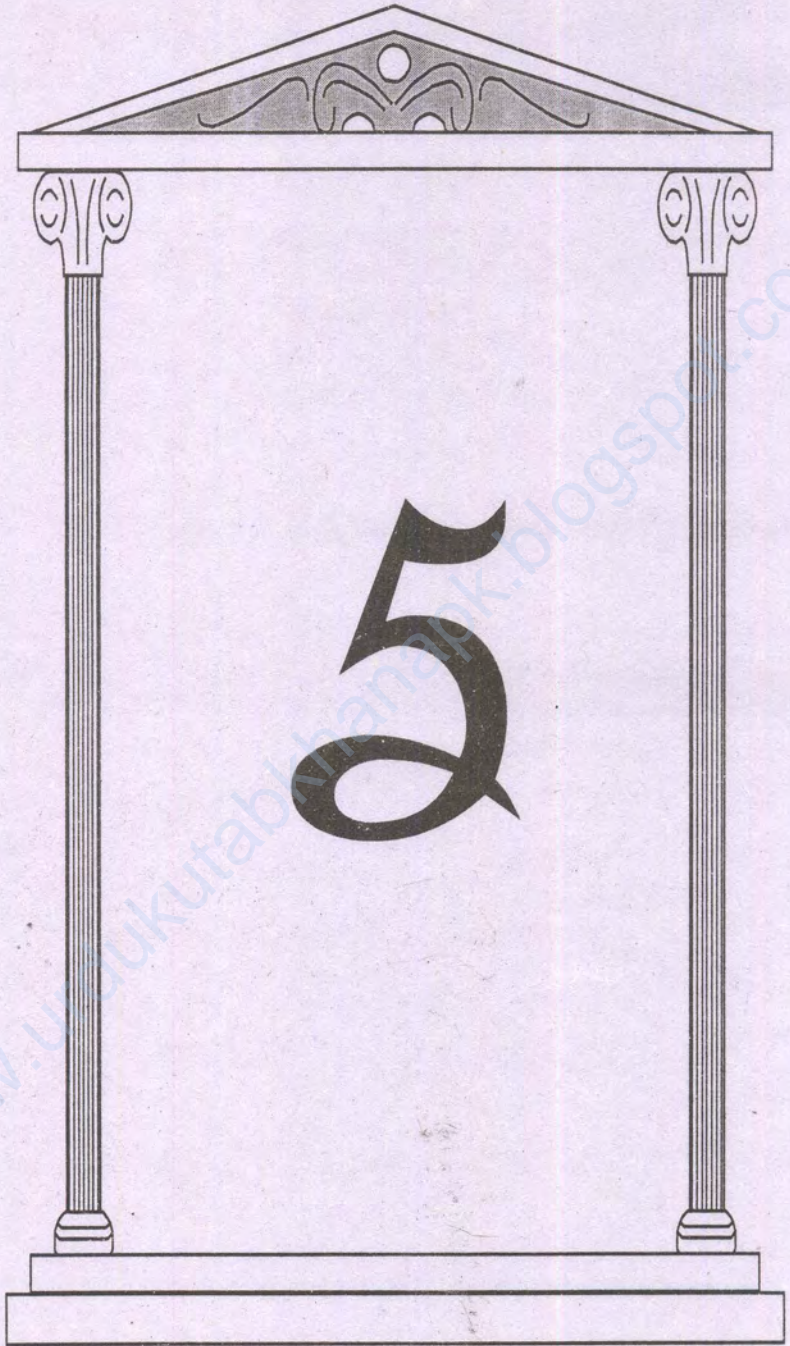
(5)

1 کوئی غریب کسی مال دار سے نفرت کیوں کرتا ہے جب کہ مال دار کو سب لوگ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مال کی وجہ سے معاشرے میں اس کی عزت ہوتی ہے۔

2 میں یہ عرض کررہا تھا کہ وہ قوت بھی عزت حاصل کرنے کے لیے Attain کی جاتی ہے.....

3 میں یہ کہہ رہا ہوں کہ فلسفے کے طور پر تو بات بالکل ٹھیک ہے اور جتنے ادیان ہیں انہوں نے بھی یہی کہا ہے.....

4 اگر ہم مارگریٹ تھیچر کو دیکھیں، ڈاؤننگ سٹریٹ میں رہنے والے لوگوں کی اور بون سٹریٹ میں رہنے والے لوگوں کی زیادہ عزت ہے، ایسٹ میں رہنے والوں کی عزت کم ہے

5 ہم یہ جانتے ہوئے کہ وہ ذلیل ہے لیکن سب اس کو سلام کہتے ہیں۔

6 میں سارے گلوب کی بات کررہا ہوں۔ وسعتِ مال کی وجہ سے ہر معاشرہ ایسے بندوں کی عزت کررہا ہے.....

7 جو آپ سے مانگ رہے ہیں آپ نے ابھی تک ان کو وہ نہیں دیا۔

سوال:

کوئی غریب کسی مال دار سے نفرت کیوں کرتا ہے جب کہ مال دار کو سب لوگ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مال کی وجہ سے معاشرے میں اس کی عزت ہوتی ہے۔

جواب:

غریب کو مال دار ہونے تک چار زندگیاں چاہئیں۔ پھر بھی وہ نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کے پاس وہ وسائل ہیں اور نہ اس کے پاس وہ راستہ ہے۔ اس کے لیے ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے کہ وہ مال دار کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے۔ کیونکہ یہ مال دار ہیں۔ حتیٰ کہ جب راستے پر چلتی ہوئی گاڑی اگر پانی کے اوپر سے گزرے اور کوئی چھینٹ پڑ جائے تو سب مال داروں کو وہ Pedestrian گالی دے گا۔ اور اسی طرح علیٰ ہٰذا القیاس۔ صرف ایک مال دار عزت کی نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہے جو مال کے ذریعے فیض کا مضمون کھولے، خدمتِ خلق کا مضمون کھولے۔ گنگا رام کو آپ جتنا برا بھلا کہو وہ فیض کا ایک نظام قائم کر گیا۔ ہمارے ہاں جو جمع کرنے والے اور مال دار لوگ ہیں ان کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ وہ

اپنے آپ کو بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے کیونکہ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ مال کس طریقہ سے آیا ہے۔ مال کبھی سخت دلی کے بغیر نہیں آ سکتا۔ نرم دل انسان کے پاس مال آ نہیں سکتا یا اس کے پاس جمع نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ جہاں بھی ضرورت دیکھے گا' درد اور تکلیف دیکھے گا تو جو اس کے پاس ہے وہ تکلیف کو رفع کرنے کے لیے خرچ کرنے کو تیار ہو جائے گا۔ یہ ضروری ہے کہ مال جو ہے انسان کو سنگ دل بنا دیتا ہے۔ یہ واضح ہے کہ مال کی محبت الھٰکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر غافل کر دیا تجھ کو کثرتِ مال نے حتیٰ کہ تم قبروں میں جا گرے۔ تو مال کی محبت انسان کو کمزور کر دیتی ہے اور اپنے آپ میں وہ بزدل Feel کرتا ہے بلکہ Insecure سا Feel کرتا ہے۔ Insecure آدمی جو ہے محسوس کرتا ہے کہ وہ عزت والا نہیں ہے۔ عزت کا مضمون یہ نہیں ہے' عزت تو Security میں ہے یا Sterling Value کی کوئی چیز ہو۔ مال کے اندر بذاتِ خود آنا جانا لکھا ہوا ہے' دولت ٹھہرتی نہیں ہے' یہ دھوپ چھاؤں والا معاملہ ہے۔ مال دار نے اپنے سے زیادہ مال دار دیکھا تو وہ خود بخود غریب ہو گیا چاہے اس کے پاس نسبتاً اور مقابلتاً اس کا اتنا مال رہ گیا ہو۔ سوال یہ ہے کہ کیا کوئی معاشرہ ایسا ہو سکتا ہے کہ نہیں کہ جہاں کثرتِ مال باعثِ عزت نہ ہو؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کہیں کوئی ایسا معاشرہ ہوا ہی نہیں ہے جہاں کثرتِ مال عزت کا باعث ہو۔ دنیا میں' ماضی کے اندر جتنے بھی پسندیدہ اسماء آئے' مفکرین ہوں یا کوئی اور لوگ ہوں وہ تمام کے تمام مال کے علاوہ تھے۔

پیغمبروں کو دیکھ لیں، مفکروں اور Social Reformers کو دیکھ لیں، سارے کے سارے مال دار تھے، بہت کم لوگ ایسے تھے جو مال دار بھی تھے اور مفکر بھی تھے۔ ورنہ فکر جو ہے یہ وہاں نہیں پلتا، یہ دِیا وہاں نہیں جلتا

؎ یہ وہی گُل ہے جو کِھلتا ہے بیابانوں میں
راس آتا نہیں رہنا جسے ایوانوں میں

یہ مال والے کے ہاں نہیں ٹھہرتا۔ مال کی محبت جو ہے افکار کو ختم کر دیتی ہے۔ جہاں مال کی محبت ہو وہاں اور کوئی چیز فائدہ نہیں دیتی کیونکہ وہاں تو آہِ سحر گاہی، اپنا فکر اور دوسروں کا فکر، ہمدردی، Sympathies ہوتے ہیں۔ مال میں تو سختی ہو جائے گی، مال فرعونیت کرے گا، مال تکبّر پیدا کرے گا اور غرور پیدا کرے گا۔ جہاں تکبّر پیدا ہو گا وہاں انسان اپنی نظروں میں عزت والا نہیں ہو گا۔ اگر کوئی معاشرہ مال دار ہو جائے تو اس کو دوسرا معاشرہ جا کے Hit کرے گا۔ جس طرح کہ یہودی معاشرہ ہے، وہ شر پسند ہو گا اور دنیا کے اندر کوئی نہ کوئی فساد مچائے گا، اسلحہ سے یا جنگ سے یا کسی اور طریقے سے فساد مچائے گا۔ شدتِ مال یا شدتِ محبتِ مال جو ہے یہ لامحالہ انسان سے محبت کی نفی ہے کیونکہ یہ اپنی ذات کی تسکین ہے بلکہ غرور کا مقام ہے۔ اس طرح وہ انسان کی محبت سے رہ جاتا ہے۔ مال کا ہونا بُری چیز نہیں لیکن مال دار بننے کی خواہش بُری ہے۔ اس سے غرور اور تکبّر پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ دیکھیں کہ کس جگہ پہ ایسا ہوا ہے کہ نہیں ہوا۔ ہمیشہ ہی ہوا ہے۔ دنیا میں ایسا معاشرہ کبھی ہوا ہی نہیں کہ مال کی وجہ سے اس میں عزت ہو۔ وہ اپنی

نگاہ میں کرتے ہیں، باقی تو یہ ہے کہ اسی معاشرے میں مال والے سے Hate کرنے والا پورے کا پورا گروہ پیدا ہو جائے گا۔ وہ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھے گا، توڑنے کی کوشش کرے گا اور جب موقع ملے گا اُسے توڑ دے گا۔ اس لیے مال بذاتِ خود ایک Insecurity ہے اور اس میں اندیشہ ہی اندیشہ ہے۔ جہاں جتنا زیادہ مال ہو گا وہاں اتنا زیادہ اندیشہ ہو گا۔ مال دار اپنے مال کو استعمال کرے گا اور جو کم مال دار ہے اس کی نگاہ میں اس کی عزت نہیں ہو گی۔ وہ کہے گا کہ اس نے وسائل روکے ہوئے ہیں اور یہ فلاں سکول میں اور کالج میں بچے پڑھاتا ہے، اس کے پاس وسائل بہت ہیں ____ اور پھر آہستہ آہستہ بات چلتے چلتے کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ دنیا میں عزت والی چیزیں مکمل ہو چکی ہیں، یہ سب آ چکا ہے، کہ عزت افکار سے ہے، عزت جو ہے ایمان سے ہے، عزت اعمال سے ہے، عزت ہمدردی سے ہے ____ انہی کا نام عزت ہے۔ اب عزت کا نام بدلنا یا اسے نئے سرے سے Define کرنا کہ عزت والی کیا چیز ہوتی ہے، میرا خیال ہے کہ یہ بڑی مشکل بات ہے۔ قابل عزت کون لوگ ہوتے ہیں؟ یہ تو نئے سرے سے Define نہیں کرنا۔ عزت ولا کون ہے؟ یہ تو دنیا میں Define ہو چکا ہے۔ آج تک دنیا میں جتنے علوم آئے ہیں انہوں نے بہت زیادہ Definition دے دی ہے کہ عزت یا Respect کیا ہوتی ہے، کن لوگوں میں ہوتی ہے اور کن لوگوں میں ہونی چاہیے۔ اس کی تعریف ہو چکی ہے یہ کون آدمی عزت والا ہے اور کن نگاہوں میں اس کی عزت ہونی چاہیے۔ وہ اپنی نگاہ

میں عزت والا ہے؟ مالک کی نگاہ میں عزت والا کون ہے؟ یا سماج میں عزت والا ہے؟ اور سماج بھی کون سا؟ سماج بذاتِ خود عزت والا ہونا چاہیے۔ اگر عزت والے سماج میں عزت ہے تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آدمی عزت والا ہے۔ ورنہ سماج کے اندر اگر برائی زیادہ ہے تو برائی کے اندر یہ پیسہ Instrumental ہے۔ اس لیے عزت کی تعریف کرنی پڑے گی کہ عزت کیا چیز ہے اور عزت والا کون ہوتا ہے اور عزت کرنے والے کون لوگ ہوتے ہیں' کن نگاہوں میں وہ معزز ہے کیا وہ عین الخلائق میں معزز ہے؟ پیسے والا عین الخلائق میں کبھی معزز نہیں ہوا' کہ اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ مال دار تو ایک گروہ ہے جو ایک دوسرے کو Dominate کرنے والا یا ڈرانے والا یا طاقت استعمال کرنے والا ہوتا ہے ____ پیسہ آج تک ایک قوت کے طور پر تو استعمال ہوا ہے لیکن عزت کا ذریعہ نہیں ہوا۔

سوال:

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ وہ قوت بھی عزت حاصل کرنے کے لیے Attain کی جاتی ہے۔ آپ دنیا پر نگاہ دوڑائیں اور ہمارے اپنے ملک میں بھی دیکھیں تو ہر آدمی عزت حاصل کرنے کے لیے دولت کے پیچھے لگا ہوا ہے' اپنا ایک بڑا گھر بناتا ہے تاکہ لوگ اس کو دیکھ کے اُسے سلام کریں اور اس سے خوف زدہ رہیں' تو جس کے پاس جتنا زیادہ پیسہ ہوتا ہے اس کی عزت ہوگی اور ایک اچھا اور نیک آدمی جس کا ذکر فلاسفہ نے کر دیا ہے' دین نے کر دیا ہے' وہ تقویٰ کے مطابق

زندہ ہے تو اس شخص کو کبھی بھی شالامار باغ میں دی گئی Civic Reception میں نہیں بلایا جائے گا۔ نہ محلے والے اُسے اچھا کہیں گے۔ وہ کہیں گے کہ بابا ریوڑیاں بیچتا ہے' نیک آدمی ہے' اس کا ادب کرو کیونکہ اس نے کسی کا بُرا نہیں چاہا' بچے بھی سکول جاتے ہوئے اسے سلام کر جاتے ہیں۔ لیکن Civic Life میں اس کی کوئی عزت نہیں ہوگی۔

جواب:

اس میں جو Uninspiring چیز ہے وہ Awe پیدا کرتی ہے تو Awe کے ساتھ ہی Hatred ہے۔

سوال:

Hatred تو بجا ہے لیکن عزت تو ہے۔

جواب:

اس عزت کو Define کریں جو Love کو Create کرے یا Love پیدا کرے۔

سوال:

بالکل ٹھیک ہے۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ فلسفے کے طور پر تو بات بالکل ٹھیک ہے اور جتنے ادیان ہیں انہوں نے بھی یہی کہا ہے۔ بالکل ٹھیک۔ بسم اللہ۔ لیکن Human History میں' جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا' جو ہماری نگاہوں سے گزری ہے اور اب بھی جو دور گزر رہا ہے' اس میں مال ایک بہت بڑا

سہارا ہے جس کے اوپر چڑھ کر انسان اپنی عزت حاصل کرتا ہے اور اسی کے لیے ہم دور دراز کا سفر کرتے ہیں، بھاگے جاتے ہیں کہ وہاں پیسہ چونکہ زیادہ ہے۔ ایک انجینئر یہاں پر دو ہزار روپے لیتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے دوبئی میں پینتیس ہزار روپیہ لینا ہے۔

جواب:

یہ تو معاشرے کا Reflection ہے کہ معاشرہ کیسا ہے۔

سوال:

اگر ہم مارگریٹ تھیچر کو دیکھیں، ڈاؤننگ سٹریٹ میں رہنے والے لوگوں کی اور بون سٹریٹ میں رہنے والے لوگوں کی زیادہ عزت ہے، ایسٹ میں رہنے والوں کی عزت کم ہے۔

جواب:

یہ تو آسان سی بات ہے۔ مثلاً ایک لڑکی ہے جو گانا گاتی ہے، گھنگرو باندھ کے پیسے کماتی ہے، ہزار ہا روپے کماتی ہے، اس کے مقابلے میں ایک نیک عورت جو بہت پاکیزہ ہے، تو اگر اس کی عزت ہم زیادہ سمجھیں تو ہمارے سارے مضمون کا Reversal Order ہو جائے گا۔

سوال:

یہ ہوا ہے اور اب بھی ہے۔

جواب:

پھر اس Reversal میں صرف پیسہ ہی کیوں' ہزار ہا اور چیزیں بھی ہیں۔ اگر اس Order کو Reverse کرنا ہی ہے تو اس میں ہر چیز ہی Absent ہو جائے گی۔ اگر آپ نے Moral Order بدلنا ہے تو پھر ہم اس میں عزت کا لفظ کیوں رکھیں۔ عزت تو ایک خاص قسم کا طبقہ ہے یا ایک خاص انداز ہے۔ عزت تو اخلاقیات کی دنیا کا ایک لفظ ہے۔ اخلاقیات سے ہٹا کر اگر اس کو عزت ہی کہا جائے تو اس کو کچھ اور نام دے دو۔ یہ Fear Create کرتا ہے' پاور پیدا کرتا ہے۔ یہ لفظ Respect کا نہیں ہے۔ ایک لفظ دو انداز سے استعمال نہیں ہو گا۔ یہ Moral Plan کا لفظ ہے' یہ Moral Order کا لفظ ہے۔ عزت' تقویٰ' پرہیز گاری' نیکی اور پاک دامنی ____ پاک دامنی اور لفظ ہے' ناپاکی اور لفظ ہے' چاہے وہ Fear ہی Create کر لے۔ ایک آدمی اگر شراب پی کے تقریر کرتا ہے چاہے وہ بڑا Orator ہو' تو شراب تو شراب ہی ہے اور نماز تو نماز ہی ہے اور اخلاقیات تو اخلاقیات ہی ہے۔ بیٹے چاہے باپ سے زیادہ علم حاصل کر لیں' باپ کے سامنے اگر کوئی گستاخی سے بولنے والا بیٹا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ بیٹا غلطی کر رہا ہے' ہر چند کہ وہ باپ کو تنبیہہ کر رہا ہے کہ میرا ادب کر' میں علم والا ہوں' تیرے پاس علم بہت کم ہے' تجھے ہوش کرنا چاہیے' میں مرتبے والا ہوں اور تُو معمولی مرتبہ رکھتا ہے' اللہ نے مجھے Status دے دیا ہے تو تُو پھر احتیاط کر اور ہمیں سلام کہہ ____ اگر وہ یہ کہے گا تو ہم کہیں گے کہ بچہ Moral Order کے

مطابق گستاخی کر رہا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی آدمی آپ کے گاؤں کا رہنے والا ہو' محلے میں رہتا ہو اور وہ آجائے تو عزت نہیں کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ابھی تک تو یہ بات قائم ہے کہ اس کو بُرا ہی کہا جائے گا۔ اگر بیٹا پاور میں ہے' بیٹے میں طاقت آگئی تو اس نے کہا کہ ابا خاموش ہو جا۔ اُس نے باپ کو قوت دکھا دی کہ اب آرام سے بیٹھ' مجھے مارنے کا وقت ختم ہو گیا اور اب تُو دیکھ کہ میں بدلہ لینے والا ہوں۔ یہ بات آج تک کبھی بھی پسندیدہ نہیں ہوئی ہے ہر چند کہ ہو سکتی ہے۔ اس لیے دونوں طرح کے الفاظ کو ایک طرف رکھا جائے' اخلاقی دنیا کے الفاظ الگ رکھے جائیں۔ اس کو پھر ہم یہ نہ کہیں کہ یہ عزت ہے۔ اس میں کچھ ہے ضرور' آدھی سے زیادہ دنیا کو مال کی محبت ضرور ہے' لیکن اس میں ہم عزت کا لفظ نہیں لگنے دیں گے۔ عزت بہر حال عزت ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم عزت وہی ہے جو اللہ کے ہاں ہو۔ عزت جن لوگوں کی نگاہ میں ہونی چاہیے ان لوگوں کی نگاہ سے Judge ہو جائے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ کسی گانے والے بازار میں وہ چلا جائے اور کہے کہ اس کی وہاں بڑی عزت ہے' بڑے چرچے ہیں' یہ اس علاقے کا دولہا ہے۔ اس طرح نہیں ہے۔ وہ پھر عزت گِنی نہیں جائے گی۔ اس لیے یہ لفظ اس طرف کا نہیں ہے۔ ''عزت'' عربی کا لفظ ہے العزۃ للہ جمیعا ساری عزت اللہ کے لیے ہے۔ اسی حوالے سے یہ لفظ آئے گا۔ اس کا مخرج یا اس کا مرکز جو ہے اس کو دیکھنا ہے کہ ''عزت'' کا لفظ آیا کیسے' اس کا مفہوم کیا ہے اور اس کے معانی کیا ہیں۔ اگر ہم غلط جگہ پر ایک صحیح لفظ

استعمال کر دیں تو سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے گا۔ مثلاً انسان' اخلاقیات' ادب' احترام' یہ سارے الفاظ ہیں۔ پیسے کی محبت تو لوگوں میں آ گئی ہے اور پیسے کی محبت سے انسان کی محبت ختم ہو گئی ہے۔ یعنی آج کے آدمی کی انسانوں کے ساتھ محبت نہیں رہی ہے اور پیسہ جو ہے یہ غرور پیدا کرتا ہے اور ضرور کرتا ہے' اس کے ذریعے کچھ لوگوں میں Fear بھی ہوتا ہے' کچھ لوگ پیسے کو سلام کرتے ہیں لیکن ہر سلام عزت نہیں ہوتا' ہر عقیدت جو ہے عقیدت نہیں ہوتی' ہر آدمی جو کسی کو عزت دار کہے اس سے وہ عزت دار نہیں ہو جاتا۔ آپ کے مکان کے پاس سے گزرنے والا ضروری نہیں ہے کہ وہ آپ کو پسند کرے۔ اس لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارا معیار کیا ہے اور ہمیں اپنے آپ کو کیسے Judge کرنا ہے۔ ہم نے کن نگاہوں سے اپنے آپ کو Judge کرنا ہے' کہ آپ عزت والے ہو گئے کہ نہیں ہو گئے ورنہ ہر فرعون عزت والا تھا' حکومت بھی اس کے پاس تھی اور مال بھی تھا' قوت بھی تھی اور وہ بڑا Effective تھا' جو چاہتا تھا وہ کر سکتا تھا۔ ان کے پاس کن فیکون کا تھوڑا سا انداز ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کبھی بھی نہیں ہوا۔ اس لیے ہم عزت کو ایک معیار کے مطابق Judge کریں گے ورنہ ہر کافر اپنے کافروں میں عزت والا ہے' ہر یہودی اپنے یہودیوں میں عزت والا ہے' ہر بداخلاق اپنے بداخلاقوں میں عزت والا ہے' غنڈہ جو ہے اپنے غنڈوں کا چوہدری ہوتا ہے' لوگ اس کی بڑی عزت کرتے ہیں' سلام کرتے رہتے ہیں اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن نیک معاشرے میں غنڈے کو اچھا نہیں

سمجھا جائے گا۔ اسی طرح بااخلاق معاشرے میں بداخلاق کو اچھا نہیں سمجھا جائے گا۔ عزت والے معاشرے میں دولت مند کو عزت دار نہیں مانا جائے گا کیونکہ وہ معاشرہ عزت والا ہے۔ پہلے یہ دیکھنا ہے کہ آپ اپنے آپ کو کن نگاہوں میں اور کن نگاہوں سے Judge کررہے ہیں۔ ہر جماعت کو ماننے والے لوگ ہیں' ہر انسان کو زندہ باد کہنے والے لوگ مل جائیں گے' ہر آدمی کے پیچھے کچھ نہ کچھ Following ہوگی' اس کے لیے For اور Against me بھی ہوگی۔ کوئی آدمی مکمل طور پر ذلیل نہیں ہے' اس کو ماننے والا کوئی نہ کوئی مل جائے گا۔ پھر نہ عزت رہ جائے گی اور نہ کوئی ذلت رہ جائے گی۔ ہر عزت کرنے والے کو کوئی نہ کوئی Hate کرنے والا مل جائے گا' ہر ذلت والے کو کوئی نہ کوئی سلام کرنے والا مل جائے گا' وہ کہے گا کہ میں تو آپ کو سلام کرتا ہوں۔ اگر اُسے کوئی نہ ملا تو شیطان ہی سلام کر جائے گا اور کہے گا کہ ماشاءاللہ' You are a great man' اتنا بڑا آدمی ہم نے نہیں دیکھا تھا۔ یہ تو خیر اور شر کے مسائل ہیں۔ اس تقسیم کو تو نہ بدلا جائے جو کہ ہو چکی ہے۔ شر جو ہے وہ شر میں عزیز ہے اور خیر' خیر میں عزیز ہے۔

سوال:

خوب ہے!

جواب:

آپ جب خیر کو شر سے Judge کریں گے تو سارا نظام ہی اُلٹ

پلٹ ہو جائے گا۔ اس لیے اُس کے انداز سے Judge کرو۔ دودھ دو گز تو نہیں ہوتا بلکہ دو لیٹر ہو گا۔ اس کا ایک معیار ہے۔ یہ الگ الگ ہیں۔

سوال:

یہ بالکل بجا ہے۔ میں تو موجودہ مشاہدے کی بات کر رہا ہوں۔ اس میں ہے بھی ایسے۔ اور یہ لوگوں کے دلوں کا بہت بڑا بوجھ ہے۔

جواب:

یہی تو بوجھ کا باعث ہے، اس کا حاصل بھی بوجھ ہے اور اس کا نہ حاصل بھی بوجھ ہے۔ کیونکہ یہ طلب بذاتِ خود غلط ہے، نفی ہے۔

سوال:

پھر تو اس کا حصول بھی بوجھ ہے۔

جواب:

اس کا حصول بھی بوجھ ہے اور اس کا سفر بھی بوجھل ہے۔ کیونکہ یہ فنا ہے۔ فنا کا بوجھ اور فنا کی طلب جو ہے وہ کبھی سرور اور کبھی کشادگی عطا نہیں کر سکتے۔ اس کا حاصل کرنا، اس کا جمع کرنا اور پھر اس کو چھوڑ جانا، ہر طرف تباہی ہی تباہی ہے۔ انسان نے تو وہی پیٹ بھر کے کھانا ہے، زیادہ سے زیادہ تین وقت کھانا کھا لے گا۔ مشکل سے ہی کھائے گا۔ جوں جوں عمر گزر جائے گی میرا خیال ہے وہ کم ہی کھائے گا۔ پھر انسان کھانے کے قریب ہی نہیں جاتا۔ وہ کھانے کے نام سے ہی باغی ہو جاتا ہے۔ پھر ایسے واقعات ہو جاتے ہیں۔ اس لیے یہ بڑا خیال

رکھنا چاہیے کہ باپ، باپ ہے، بیٹا، بیٹا ہے اور درمیان میں ایک نظام قائم ہے، بیٹے کا کام ہے کہ اس پہ سلام واجب الادا ہے۔ ماں، ماں ہے اور بیٹی، بیٹی ہے، بیٹی کو ماں کا ادب کرنا ہی چاہیے۔ کیوں کرنا چاہیے؟ اس کی وجہ نہیں بتائی گئی۔ یہ بتایا گیا ہے اور یہ ہوتا بھی اسی طرح ہے۔ تو انہی کی عزت ہونی چاہیے۔ بڑا بھائی جو ہے وہ بڑا بھائی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ وہ اتفاق سے پہلے آ گیا۔ بس وہ بڑا بھائی ہے اور اس کا ادب ہے، احترام ہے۔ اگر کوئی استاد ہے تو اس کا ادب ہے، احترام ہے۔ ورنہ استاد میں ایسی کون سے بات ہے، اُستاد تھوڑا پڑھا ہوتا ہے اور شاگرد پڑھتے پڑھتے کہاں نکل گئے۔ لیکن جب بھی اُستاد آ گیا تو شاگرد نے کہا کہ سب بند کردو، اُستاد آ گئے ہیں۔ یہ علم کا ادب نہیں ہے بلکہ استاد کا ادب ہے۔ علم تو شاگرد کے پاس زیادہ ہے۔ استاد ایک مقام ہے، ایک شخص ہے، علم تو کوئی اور چیز ہے، اصول ہے۔ استاد ایک رشتے کا نام ہے۔ اسی طرح اپنا وطن، چاہے امریکہ، امریکہ ہی ہو۔ مقصد یہ ہے کہ اپنے وطن سے جو محبت ہے وہ اپنی جگہ پر ہے۔ یہاں پر بے شمار ایسے لوگ رہتے ہیں جو چار چار میل سے پانی بھر کر لاتے ہیں۔ اُنہیں کہا گیا کہ یہ جگہ چھوڑ دو، اچھے علاقے میں چلتے ہیں تو کہتے ہیں کہ نا بابا معافی دے دو، ہمیں یہیں رہنا ہے۔ ڈی جی خان کے علاقے اور دوسرے علاقے، پانی نہیں ہے اور دور دور سے لایا جا رہا ہے۔ پہاڑوں میں ایسے علاقے بے شمار ہیں۔ صرف کریانہ کی دکان اور چار چار میل پہاڑیاں ہیں، ہفتے کے ہفتے نمک مرچ اور چھوٹی چھوٹی چیزیں جا کے لے آتے ہیں۔ وہ وہاں جا رہے ہیں

اور وہاں رہ رہے ہیں' وہ جگہ چھوڑتے نہیں ہیں۔ یہ وطن کی محبت ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ Values کی کہانی ہے' یہ کسی لگن کی داستان ہے' یہ دل کے قصے ہیں۔ اور اگر بڑا وجود ہو جائے' بڑی پوشاکیں ہو جائیں اور دل اندر سے خوش نہ ہو تو کوئی لطف تو نہ ہوا۔ اس لیے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ ہم کن Values کو Values کہہ رہے ہیں۔ ورنہ ہر Values کے علاوہ بھی تو Values ہیں۔ یہ دیکھنا ہے کہ آپ معاشرہ کو کن نگاہوں سے Judge کریں گے۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ ہر انسان ایک انداز سے ایک جیسا ہو گا اور دوسرے انداز سے وہی انسان دوسرا نکل آئے گا۔ اس کائنات میں جتنے علوم وارد ہوئے ہیں تمام کا وارث انسان ہے اور ہر مسلمان کے پاس کفر موجود ہے۔

سوال:

جی؟

جواب:

وہ سمجھتا ہے کہ کیا ہے لیکن وہ جو کفر کی پہچان ہے وہ کرتا نہیں ہے۔ وہ کافر نہیں ہے لیکن اس کے پاس کفر ہے' وہ علم کی شکل میں ہے لیکن عمل کی شکل میں نہیں ہے کیونکہ عمل ہو گیا تو وہ کافر ہو گیا۔ اس کو کفر کا علم ہے اور جتنا یہ علم اس نے رکھا ہوا ہے اتنا اس کے پاس کفر کا باقاعدہ مضمون ہے۔ اور اگر وہ اظہار میں آ جائے تو یہ فوراً کافر ہو جائے۔ لیکن وہ جانتا ہے۔ جاننا جو ہے یہ اس کا حصہ ہے' ہر چیز کو جاننا' کہ عزت کیا ہے' بے عزتی کیا ہے' ذات کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ

- کوئی Sane آدمی جس نے کوئی مطالعہ کیا ہو، سماج کا اور Anthropology کا، وہ جانتا ہے کہ عزت کسے کہتے ہیں، اور عزت والی کیا چیز ہے۔ بادشاہ ہونا اور چیز ہے اور دل کی دنیا اور چیز ہے، یہ خاص مقام کی بادشاہی ہے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ من کی دنیا اور ہے، تن کی دنیا اور ہے، دھن آتا ہے اور دھن جاتا ہے، یہ چھاؤں ہے۔

؎ یہ سبب کچھ اور ہے جس کو تو خود سمجھتا ہے
کہ زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

کلامِ الٰہی میں بھی کہا گیا ہے۔ اگر آپ الٰہیات میں داخل ہو جائیں تو الٰہیات موت ہے، موت سے شروع ہوتی ہے، تو موت کا یقین ہو جائے، اپنے مر جانے کا مشاہدہ اگر نہ ہو تو یقین تو ہو۔ جب مشاہدہ ہو جائے تو آپ فقر میں داخل ہو گئے۔ آپ کو اپنی موت کا مشاہدہ ہو جائے گا کہ آپ نے کہاں کب، کیسے اور کیا ہونا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ وجود کا خاص حصہ ہے یعنی یہ اس شکل کا ایک اور حصہ ہے۔ موت کا مشاہدہ ہو جائے تو انسان فقیر ہو جاتا ہے۔ اگر یقین آ جائے تو انسان اچھا ہو جاتا ہے، نیک ہو جاتا ہے۔ انسان کو موت کی اطلاع ہو جائے تو وہ سنبھلا رہتا ہے۔ قدم قدم پر، ہر جنازے پر، ہر جنازے میں اطلاع ہوتی ہے۔ لوگ بتاتے رہتے ہیں کہ ہم وہاں گئے تھے، کسی کا عزیز فوت ہو گیا تھا۔ یہ واقعات روز ہی ہوتے رہتے ہیں، جنازہ، چالیسواں وغیرہ۔ کسی کا باپ فوت ہو گیا، کہیں اور واقعات ہو گئے۔ اگر موت کا یقین ہو جائے اور یقین

مشاہدے کی حد تک ہو جائے تو میرا خیال ہے کہ مال کی محبت ویسے ہی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ پتہ چل جاتا ہے کہ یہ Ultimate منزل ہے۔ اس منزل کے لیے اللہ نے کبھی Facilitate نہیں کیا' نہ ہی اس نے کوئی تعاون کیا۔ اگر یہاں تک آنا تھا تو پھر اتنا بڑا کیا ہنگامہ تھا۔ لہٰذا مال نہ محبت کا ذریعہ ہے اور نہ عزت کا ذریعہ ہے۔ یہ آپ کے زندگی کے سفر کے لیے ایک سہولت ہے' تو اس سہولت کو حاصل کرو' مال کو استعمال کرو۔ مال کا بے سبب جمع رکھنا جو ہے اس سے انسان اپنی نگاہ میں عزت والا نہیں رہتا۔ آپ خود ہی دیکھ لو' ہمارا اپنا معاشرہ کسی وجہ سے ترتیب میں صحیح نہیں ہے۔ کوئی آدمی زیادہ پیسہ لینے کے لیے پاکستان کو چھوڑ کر کسی اور ملک میں چلا جاتا ہے تو وہ کتنی چیزیں یہاں چھوڑ جاتا ہے' ماں' باپ' مٹّی' خوشبو' یہاں کی Values چھوڑ گیا' ہر چیز کو چھوڑ گیا۔ ایک لگن اس کو لے کے باہر چلی گئی۔ یہاں واپسی پر عزت حاصل کرنے کے لیے وہاں ذلّت کی زندگی گزارتا ہے۔ وہاں تو عزت کی زندگی نہیں گزار رہا جہاں سے وہ مال کما رہا تھا۔ وہ وہاں کے درجات میں امیر نہیں ہے' یہاں کے درجے میں وہ امیر ہو گیا سو ہو گیا۔ وہاں ان لوگوں کے Grades میں کیا ہو گا' شیوخ کے سامنے کیا امیر ہو گا۔ وہاں اس نے کیا دولت مند ہونا ہے۔ کہتا ہے کہ شیخ مجھ پر بڑا خوش ہو گیا اور اس نے مجھے گھڑی دے دی ہے' دس ہزار کی گھڑی آتی ہے۔ وہاں عید پہ بڑے بڑے بونس آ جاتے ہیں۔ شیخ خوش ہو گیا تو پانچ سو آدمیوں کو حج کرا دیا۔ وہ کیا حج ہے اور تمہارا کیا ایمان ہے۔ وہاں کی دنیا اور ہے۔ میرا خیال ہے کہ اپنے علاقے میں

عزت کے سمجھنے کا طریقہ پہلے ہی طے ہو چکا ہے' موجود ہے' وہ Change نہیں ہونا۔ انشاء اللہ تعالیٰ!

اور بولیں ____ پوچھیں ____

سوال:

سوال کا جواب تو کافی حد تک مل چکا ہے۔

جواب:

اگر مال کو ذریعہ عزت بنالیا جائے' تھوڑی دیر کے لیے مان لیا جائے' تو ایک ان پڑھ انسان نے مال کی وجہ سے ایک پڑھے لکھے آدمی کو ملازم رکھا ہوا ہے اور اس کے ساتھ وہی سلوک کرتا جیسے وہ دولت کی وجہ سے جو دوسروں سے کرتا ہے' تو اس طرح اگر اس کو عزت کا ذریعہ مان لیا جائے تو باقی ساری Activities جو ہیں وہ ختم ہو جائیں گی۔ مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کا عمل بنیادی طور پر بُرا ہے لیکن اس کے پاس مال ہے تو آپ اس کو کیسے Rationalize کریں گے۔ ایک آدمی ہے' ہے وہ ذلیل اور اس کے پاس مال ہے تو اب آپ اس کو ذلیل عزت والا کیسے مانیں گے۔ ''ذلیل'' کوئی عمل ہے ناں' کوئی علم ہے ناں؟

سوال:

بالکل صحیح ہے۔

جواب:

اگر ایک آدمی ذلیل ہے لیکن اس کے پاس مال ہے تو ذلت کی وجہ سے

ذلیل ہے۔

سوال:

مگر اس کی عزت بنی ہوئی ہے۔

جواب:

اب اس کے مال کی وجہ سے اس کی عزت کیسے کریں گے، اس کو کیا کہیں گے؟

سوال:

ہم یہ جانتے ہوئے کہ وہ ذلیل ہے لیکن سب اس کو سلام کہتے ہیں۔

جواب:

یہ تو The fault lies with us ____ یہ دیکھیں کہ کون لوگ ہیں جو اس کی عزت کرتے ہیں۔

سوال:

میں سارے گلوب کی بات کر رہا ہوں۔ وسعت مال کی وجہ سے ہر معاشرہ ایسے بندوں کی عزت کر رہا ہے۔ پہلے بھی یہ ہوتا رہا۔ صحیفوں سے بھی پتہ چلتا ہے۔ فرعون کے واقعہ سے، قارون کے واقعہ سے اور تاریخ میں بھی پتہ چلتا ہے۔ میرا سوال اپنی جگہ پر ویسے ہی ہے۔

جواب:

بے شک آج تک ہوا ہے، ہمیشہ سے ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن Opinion

والے لوگ اور Judgement والے لوگ آج تک کبھی ختم نہیں ہوئے۔ اخلاقی اور مذہبی Order کبھی بھی ختم نہیں ہوا۔ فرعون بھی ختم نہیں ہوا' موسیٰ بھی موجود ہیں۔ یعنی کہ اس کائنات میں ہر چیز اپنی پوری اور اصلی حالت میں موجود ہے۔ ایک طبقہ موجود ہے جو Judgement دینے والا ہے۔ ہم اس چیز کو روک رہے ہیں کہ پیسہ ہی عزت کا ذریعہ ہے۔ عزت بہر حال ایک الگ چیز ہے۔ عزت کے مضامین الگ ہیں' عزت کو Judge کرنے کا طریقہ الگ ہے' اس کی Values اور ہیں۔ پیسے کے خوبی اور خامی کو Judge کرنے کا الگ مضمون ہے۔

اور کوئی سوال_____پوچھیں_____

سوال:

اب تو ذہن میں کچھ نہیں آ رہا۔ کچھ سوچ بھی نہیں رہے_____

جواب:

اگر آپ کچھ نہیں سوچتے تو یہ تو بے عملی ہے اور یہ آپ کے لیے Advisible نہیں ہے۔

سوال:

ہم نے تو کچھ سوچا ہی نہیں۔

جواب:

یہ تو موت ہے' خاموش موت۔ ذہین آدمی کے لیے یہ اچھی چیز نہیں

ہے کہ وہ چپکے سے مرجائے۔ جانے سے پہلے کچھ نہ کچھ واقعہ ہونا چاہیے۔ اگر آپ کو کوئی واقعہ سوچ میں نہیں آرہا اور خاموشی سے مرنا بھی نہیں چاہتے تو پھر آپ عمل میں داخل ہوں' پھر تو آپ کے لیے یہ عمل بنتا ہے۔ یا پھر اس کے متبادل کوئی عمل ڈھونڈو۔

سوال:

متبادل تو کوئی نہیں ہے۔ متبادل اگر ذہن میں آتا ہے تو یہی آتا ہے کہ چونکہ ہم ہسٹری کے سٹوڈنٹ رہے ہیں اور خاص طرز سے سوچنے کے عادی ہوگئے ہیں' اس لیے ہم کو تو وہی متبادل سمجھ میں آتا ہے جو متبادل چلا آرہا ہے' مثلاً سیاسی پارٹیوں کے روپ میں یا کسی سماجی گروپ کے روپ میں۔

سوال:

آپ کو اس وقت بات سمجھ آئے گی جب آپ کسی چیز کے محرک بنیں گے۔ کیا آپ سیاسی عمل کرسکنے کے قائل ہیں۔

سوال:

جی بالکل نہیں۔

جواب:

پھر آپ باقیوں کا حوالہ چھوڑ دیں۔ اس وقت ساری کائنات سمٹ کے ہم ہی لوگ ہیں جو یہاں ہیں۔

سوال:

ایک ہماری مینٹل ٹریننگ ہے۔ یہ میں اپنی ذہانت' اپنی Intellect اور مشاہدے کے زور پر کہہ رہا ہوں کہ میں سیاست کا بالکل قائل نہیں ہوں اور وہ ایک Futile exercise ہے لیکن میری ایک Orientation بھی ہے جو مجھے کبھی کبھی مجبور کرتی ہے۔ میں رسالہ اکانومسٹ پڑھتا ہوں' ٹائم پڑھتا ہوں یا پھر نیوز ویک پڑھتا ہوں تو ایک Orientation بنتی ہے۔

جواب:

آپ کی یہ Orientation بالکل نہیں ہے اور آپ نے کسی پولیٹیکل پارٹی کا ممبر بننے کے لیے اپنی چشم التفات اور نگاہِ التفات سے غور ہی نہیں کیا۔ اب یہ Orientation کہاں ہے۔

سوال:

میں رسالہ اکانومسٹ بہت پڑھتا ہوں۔ اسی طرح رسالہ ٹائم اور نیوز ویک بھی Orientation تو کرتے ہیں۔

جواب:

آپ کی جو Orientation اب تک ہوئی ہے آپ وہ بتائیں۔ یہ تو آپ ان لوگوں کی Faculty کا بتا رہے ہیں۔ آپ کہیں کہ اتنے بتانے والے ہیں اور اتنا بڑا واقعہ ہوا ہے لیکن مجھ پر اثر نہیں ہوا اور اس کے برعکس میں اس طور پر Safe ہوں اور بہتر محسوس کرتا ہوں۔

سوال:

میرے ساتھ بھی تو یہ آدمی بیٹھے ہیں۔

جواب:

ساتھ والے سے تو ہم نے بات نہیں کی۔

سوال:

مثلاً یہ ساتھ ہی میرا چھوٹا بھائی بیٹھا ہے۔

جواب:

ان سے تو آج ہی ملاقات ہوئی ہے۔

سوال:

مجھ سے تو ان کی بات ہوتی رہتی ہے۔

جواب:

آپ بات کو مکمل طور پر سمجھے بغیر Convey کرنے لگ گئے ہیں۔
اس طرح آپ اندیشے Convey کر جائیں گے۔

سوال:

میں نے ان کی بات تو Convey نہیں کی بلکہ اپنے والی بات کی ہے۔

جواب:

آپ کی بات تو ٹھیک ہے، یہ آپ کا اپنا حق ہے اور ان کا بھی حق ہے۔

لیکن جب تک ان کے ساتھ وابستگی نہ ہو تو بات نہیں کرنی چاہیے۔

سوال:

جی بالکل نہیں کرنی چاہیے۔

جواب:

اب ان سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ یہ آپ کی طرف سے مہمان آئے ہیں اور آج ان سے ملاقات ہے۔ پھر ان سے دو ملاقاتیں ہوں گی، تین ملاقاتیں ہوں گی اور پھر اس کے بعد سارا فیصلہ ان پہ چھوڑ دیں گے۔ آپ نے بات سمجھی؟ کیا اب آپ کی تسلی ہوتی ہے؟ آپ کسی اور کا حوالہ نہ دیں۔

سوال:

میں صرف ان کا کہہ رہا ہوں۔

جواب:

وہ تو ان کے اپنے مقام پہ ہوگا جو بھی ہوگا۔

سوال:

میں یہ بات intellectually کہہ رہا ہوں۔ یہ بھی بڑا سہارا ہے۔ یہ سہارا نہیں ہے بلکہ یہ لائف کا فائنل عمل ہو جاتا ہے۔

سوال:

پھر فائنل عمل سے بسم اللہ کر لیتے ہیں۔

جواب:

اب آپ نے اپنے عمل کا یا مستقبل کا یا واقعات کا یا خیال کی روشنی کا فیصلہ اپنے آپ پر چھوڑا ہے۔ یہی ہے ناں۔ اب مسئلہ حل ہو گیا۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات ____

سوال:

میں تو حاضر ہوں۔

جواب:

حاضر کی بات نہیں۔ آپ نے میرے حاضر نہیں ہونا بلکہ آپ نے اپنے مسئلے کے حاضر ہونا ہے۔

سوال:

میں آپ کو نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ میں نے اپنے مسئلے کے حاضر ہونا ہے۔

جواب:

اس میں کسی ایک کا Concern نہیں ہے بلکہ ہر آدمی کا Concern ہے۔ ایک آدمی کی تو بات ہی نہیں ہے۔ ایک آدمی تو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے آپ سے یہ بات کرنی ہے۔ یہ Concern تو آپ سب کا بن جانا ہے۔ اس میں کوئی بھی چیز Unimportant رہ نہیں جاتی۔

سوال:

سیاست میں بڑے عجیب وغریب خدشات آتے ہیں۔ ہمارے ایک

دوست بڑے مشہور سیاست دان ہیں' انہوں نے کہا کہ سیاست کرنی ہے' ان میں بڑی نیک نیتی سے قوم کا درد تھا۔ ان کا دین کا اور قرآن کا مطالعہ بھی تھا' اب بھی میں ان سے ملتا ہوں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

جواب:

آپ اپنے ذہن میں حکومت لینے کی خواہش نہ رکھیں۔

جواب:

ہرگز نہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ آ گئی تو پھر کیا ہوگا۔

جواب:

کون آ گئی؟ خواہش یا حکومت؟

سوال:

اگر خواہش آ گئی تو ____

جواب:

اگر خواہش آ جائے اور حکومت نہ آئے تو یہ عذاب ہے۔

سوال:

بالکل' یہ عذاب ہے۔

جواب:

اگر حکومت آ جائے اور خواہش نہ آئے تو یہ عین عطا ہے اللہ کی۔

ایک اور سوال:

یہ صاحب جو آپ سے مانگ رہے ہیں وہ ابھی تک ان کو نہیں ملا۔

جواب:

میں نے ابھی تک ان کو دینے کا وعدہ ہی نہیں کیا۔

سوال:

جی ہاں، یہ جو آپ سے مانگ رہے ہیں آپ نے ابھی تک ان کو وہ نہیں دیا۔

جواب:

میں نے یہ نہیں کہا کہ میں نے دے دیا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ خود ہی سمجھ لو، ڈھونڈ لو، یہاں ایک بات ہے اور اس بات میں آپ کا حصہ ضرور ہے، اگر حصہ نہ ہوتا تو میں بات ہی نہ کرتا۔ آپ کی سمجھ کے مطابق یہ بات ہے۔ مطلب یہ کہ یہاں آپ سب لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، میں کہہ دیتا ہوں کہ یہ لڑکا جو بیٹھا ہے اس کو اگر کوئی پرابلم ہو تو یہ شفیع صاحب سے Discuss کرے، اللہ کے فضل سے پرابلم دور ہو جائے گا۔ اب شفیع صاحب بھی یہیں پہ بیٹھے ہیں اور وہ اس سے زیادہ دانا بھی نہیں ہیں لیکن میں ایک بات کہتا ہوں کہ اس شخص کو ایسا کوئی Obsession ہو، اس کا کوئی پرابلم حل نہ ہو رہا ہو تو یہ شفیع صاحب سے بات کرے تو وہ حل ہو جائے گا۔ اس لیے ہر آدمی کو میں بتا تا رہتا ہوں۔ مثلاً یہ نواز صاحب ہیں، ان کا کوئی مسئلہ حل نہ ہو رہا ہو تو نیازی صاحب سے بات کریں تو

مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس کو فیض کہتے ہیں۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ کہ مسئلہ موجود ہو، کوئی Obsession ہو جائے، ذہن میں، قلب میں یا دماغ میں کچھ سمجھ نہ آ رہا ہو، زمین و آسمان کی فریادیں سمجھ نہ آ رہی ہوں تو ایک آدمی وہ مسئلہ حل کر دیتا ہے۔ اب اس کی جو بوٹی ہے، اس کا جو علاج ہے یہ شخص علاج کے قریب بیٹھا رہے تو بھی قیامت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کا علاج فیض والے کے پاس ہے اور وہ واقعی یہ بات سمجھا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ ذاتی طور پر کسی فیصلے پر پہنچنا چاہو اور وہ سمجھ نہ آ رہا ہو تو آپ صرف سوال تک پہنچ سکتے ہیں۔ ایک سوال ایسا ہو کہ میں کیا کروں؟ اور پھر اس فیض والے کے اعتماد میں آ کر یا ڈھل کر یا اس اعتماد میں اُتر کر آپ عمل کر کے دیکھیں۔ اگر وہ عمل آپ کو شفا نہ دے تو پھر فیصلہ آپ ——

سوال:

میں تو بالکل حاضر ہوں۔

جواب:

آپ تو احسان کرتے ہیں۔ یہ بات غلط ہے۔

سوال:

جی ہاں، اس میں احسان کی تھوڑی سی Tone بھی ہے۔

جواب:

آپ یہ میرے کہنے پر کر رہے ہیں لیکن میں آپ کی خواہش کو

Cater کرر ہا ہوں۔آپ میرے پہ احسان کرر ہے ہیں۔اگر آپ کچھ نہیں کرنا چاہتے تو خاموشی کے دن گزاریں' شام کو وقت سے پہلے کھانا کھائیں اور سونے سے پہلے جلدی سو جائیں۔صحت کا خیال رکھنا اچھا ہوتا ہے۔پھر آپ کیوں اتنی بے تابیاں کرتے ہیں اور شب بیداریاں کرتے ہیں۔اگر آپ کے اندر کوئی Urge ہے' کوئی Quest ہے' کوئی خواہش ہے' کچھ کرنے کی خواہش اندر ہی لگی ہوئی ہے تو پھر آپ پہلے جو کر کے آئے ہیں اگر وہی دوبارہ کرنا ہے تو یہ ہمارے لیے کچھ نہ کرنے کے برابر ہے۔اگر آپ آج سکرپٹ لکھیں گے تو یہ تو کوئی بات نہ بنی کیونکہ یہ تو آپ پہلے سے لکھتے جار ہے ہیں۔اس سے کبھی آپ کی تعریف ہو جائے گی اور کبھی بدتعریفی ہو جائے گی۔ جب بھی آپ کو آدھا ملک پسند کرے گا تو آدھا مخالف ہو کے کھڑا ہو گا۔ہم نے ملک کو پہلے ہی دو حصوں میں رکھا ہوا ہے' آدھے لوگ پسند کریں گے اور آدھے ناپسند کریں گے۔آپ کا مزاج ہی اس طرح ہے' آپ پہلے ہی House divided ہیں۔ اگر وہ کام کرنا ہے تو آپ بے شک کرتے رہیں لیکن آپ ذاتی سوال تک تو پہنچیں' کہ میں مسمّی' فلاں انسان ہوں' میرا یہ ذاتی سوال ہے' میرے ساتھ یوں ہے ____ یہاں سے پہچان ہوتی ہے' دنیا میں جو مصائب' مسائل' حادثات' تکالیف' اذیتیں یا بیماریاں ہوتی ہیں وہ ساری کی ساری قدرت کے ساتھ تعلق کا امکان ہوتی ہیں۔آپ بات سمجھے؟

سوال:

واہ! واہ! بالکل ٹھیک ہے۔ سبحان اللہ!

جواب:

یہ سارے واقعات اس طرح ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک پتھر سر پہ آ کے لگا تو وہ کہتا ہے کہ یا اللہ یہ کیا ہوگا۔ اب وہ پتھر نہیں تھا بلکہ ایک دعوت نامہ تھا کہ تُو پہچان کہ یہ کیا ہے۔ آپ پتھر کی تحقیق کرتے کرتے اس ہاتھ تک پہنچ جائیں گے جس ہاتھ میں اور بھی پتھر تھے، سبحان اللہ اتنا Beautiful ہاتھ۔ یعنی کہ اس میں اللہ سے تعلق کا امکان ہے۔ بعض اوقات ذاتی اذیت ہوتی ہے اور آپ اس کا کھوج لگاتے لگاتے اللہ کی بارگاہ میں پہنچ جاتے ہیں، تکلیف کو دور کرتے کرتے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ بچہ بیمار ہو تو ماں کو نہ بتاؤ کہ اللہ کہاں ہے، ماں خود جانتی ہے کہ اللہ کہاں ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔ بچہ بیمار ہو تو ماں کے علم میں ہوتا ہے کہ خدا کہاں ہے۔ یہ خداداد چیزیں ہیں۔ اس لیے جب آپ کا سوال ایسا بن جائے گا کہ آپ نے اللہ کو پہچاننا ہے تو پھر جواب آپ کو اپنی حقیقت تک یا تحقیق تک پہنچا دے گا۔ یہ تب ہوگا جب وہ سوال پیدا ہو جائے اور اگر نہ بنے تو یہ آپ کو دعوت ہے، آپ کی مرضی کہ اسے قبول کریں یا نہ کریں۔ میرے ہاں تو ایسی کوئی دعوت نہیں ہے کہ کچھ اچھے لوگ ممبر بنانے ہیں۔ اس کے لیے تو ایک دعوت نامہ ہوتا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ سوال ہے مگر سوال تو ہے ہی نہیں۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ ایسا واقعہ تو آپ کے ہاں خود ہونا چاہیے۔ اگلا سوال یہ ہے

کہ پہچان کراؤ کہ کون ہو' کیا ہو۔ یہ پہچان کرنے کا طریقہ ہے اور اس کا طریقہ سوال ہے۔ سوال سے پہچان ہوتی ہے۔ کوئی ایسا سوال ہو جو آپ کا ذاتی سوال ہو' اٹکا ہوا ہو' اُلجھن کو سلجھانے کے لیے ہو اور کوئی مسئلہ ہو۔ جس طرح میں نے کہا ہے کہ ان کو کوئی مسئلہ ہو تو اُن سے پوچھیں اور اُن کا کوئی مسئلہ ہو تو اِن سے پوچھیں' اس طرح مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یہاں پہ میں نے ''فیض'' کا لفظ کہا تھا۔ جہاں پہ فیض میسر ہے وہاں اس کے سوال کا جواب' اس بیماری کی شفا اور اس اُلجھن کا حل موجود ہے۔ وہاں پر خرد کی گُتھی کو سلجھایا جاتا ہے۔ جہاں ایسا واقعہ ہو وہاں پہ خود کو منسوب کر لو تو سب حل ہو جائے گا۔ وہاں جو مسئلہ ہے وہ کہا جائے اور بیماری کا علاج بھی پوچھ لیا جائے۔ وہاں یہ کہیں کہ میری ذاتی بات یہ ہے اور آپ فرمائیں کہ اب میں کیا کروں۔ اس کا طریقہ یہ ہے۔ الحمدللہ آپ کو تو کوئی اُلجھن نہیں ہے۔ اگر اُلجھن نہ ہو تو بات کو تحقیق سے پہلے ماننا بہت مشکل ہے' تحقیق کرنے کے ٹائم تک ماننا ضروری ہے۔ دِقّت یہ ہے۔ اس کی تحقیق زندگی کے میدان میں ہو گی۔

سوال:

ہو جائے گی ایسی ہو گی کہ بس ——

جواب: ——

اس کی تحقیق زندگی کے واقعات میں ہو جاتی ہے۔ بیان ہی قوت ہے۔ وعلمہ البیان۔ تلوار قوت نہیں ہے بلکہ بیان قوت ہے۔ بیان سے آپ نے

قائل کر لینا ہے اور بیان سے آپ نے مائل کر لینا ہے۔ بیان ہی سارا واقعہ ہے۔ بیان کا Link کسی نہ کسی ذات کے ساتھ ہونا چاہیے' کسی نہ کسی ذات کے ساتھ تعلق ہونا چاہیے۔ آپ جب کچھ بیان کرتے ہیں تو اس بیان کا نفس کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے' بیان کا ذہن کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے' بیان کا دل کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے' بیان کا روح کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے اور بیان کا رضائے الٰہی کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ آپ اپنا بیان کس طرف منسوب کر رہے ہیں۔ دنیا میں ایسے لوگ آئے ہیں جن کا بیان اللہ کا اپنا بیان تھا۔ ایسے واقعات رہے ہیں۔ ایسے واقعات رہے ہیں کہ جن کا بیان Destiny بنا گیا اور ایسے انسان بھی آئے کہ ان کا بیان تباہ کر گیا' قوموں کو ضائع کر گیا۔

سوال:

بے شمار واقعات ایسے ہیں۔

جواب:

بیان اگر نفس سے متعلق ہو تو نفس تو بڑی Beautiful Vocabulary کا بادشاہ ہے' تباہ کر جاتا ہے۔

سوال:

توبہ' توبہ! ہم تو اس سے روز گزرتے ہیں۔

جواب:

نفس کے پاس بہت ہی رنگین Language ہے۔ نفس کی Language زیادہ سے زیادہ Beautiful ہے۔ الفاظ تو یہی ہیں جو دنیا میں آپ کی Vocabulary ہے' اسی کی ترتیب کے اندر آپ کی حقیقت ہوتی ہے اور اسی کی ترتیب کے اندر ہی حجابِ حقیقت ہوتا ہے۔ سب کچھ الفاظ کے اندر ہی ہے۔ یہیں یہ ہوتا ہے کہ وہ کون تھا' کیا تھا اور کیا کہہ گیا

وہ کون تھا جو میرے ساتھ ہم کلام ہوا

تو وہ کون تھا؟ ایسا ہوجاتا ہے۔ آپ اگر مائل ہوجائیں یا سمجھ جائیں یا پہچان جائیں تو اس کا اگلا حصہ تو پھر ہے ہی نہیں۔ اس کا اگلا حصہ کوئی نہیں ہوتا۔

سوال:

میں تو مائل ہوں جی۔ بس یہ عید گزر جانے دیں' اس کے بعد کریں گے۔

سوال:

اس میں کچھ کرنے والی بات نہیں ہے۔

سوال:

یہ کیسے کہ اس میں کچھ کرنے والی بات نہیں ہے؟

جواب:

اس میں صرف اپنے آپ کو اللہ کے فضل سے ایک مظہر بنانا ہے۔

سوال:

واہ واہ! ہم تو سمجھے تھے کہ کوئی مشین سی چلانی ہے جیسے پٹھان چھریاں چاقو تیز کرتے ہیں، یہ کوئی اس قسم کا کام ہے۔

جواب:

آپ کا یہ راستہ تو کبھی رہا ہی نہیں۔ میں بار بار کہہ رہا ہوں۔

سوال:

واقعی یہ نہیں رہا۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں دروازے جا جا کے یہ کروں گا۔

جواب:

آپ کی اتنی عمر ہوگئی ہے مگر آپ کبھی گئے ہیں نہیں۔ اس عمر تک آپ نے کچھ اختیار نہیں کیا۔ کیا اب ہم آپ کے سامنے اپنی لیبر Waste کریں گے؟ اگر ایک پولیٹیکل ورکر ہو اور اس کے سامنے میں Non-Political بات کرنے لگ جاؤں، کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ یوں تو بالکل نہیں ہے۔ جو چیز آپ کے اندر ہے ہم اُسی سے گفتگو کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت یہاں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں بیٹھا جو اس روحانی عمل سے باہر ہو۔ اللہ کے فضل سے آپ کے اندر جو چیز ٹِک ٹِک کرتی جا رہی ہے یہ اُسی کی خوراک ہے۔ دوسرا آدمی یہاں ایک منٹ نہیں بیٹھ سکتا۔ وہ گھبرا جائے گا۔ یہ ہے ہی آپ کے لیے۔ آپ پہلے بھی بزرگوں کے پاس، درویشوں کے پاس اور خانقاہوں میں جاتے رہے

ہوں گے۔ وہاں کیوں جاتے رہے ہیں؟ اگر اندر کچھ پیدا ہو گیا تو پھر اس کے بعد آپ کیوں وہاں گئے؟ مقصد یہ کہ پھر وہاں کیوں جاتے رہے ہیں؟ آپ کو کیا چاہیے تھا؟

سوال:

میں تو یہ سمجھتا تھا کہ کیونکہ میں ایک لکھنے والا ہوں' ایک Rowing Journalist ہوں' تو میں تو ایسے ہی یہ دیکھتا ہوں' وہ تو میں بعد میں پھنس گیا۔

جواب:

مطلب یہ کہ آپ ان لوگوں کے تجسّس میں وہاں گئے۔

سوال:

یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ کیا ہوتا ہے' لکھنے کے لیے دیکھوں کہ یہ کیوں ہے' یہ جو ہماری Wisdom ہے۔

جواب:

کچھ لکھنے کے لیے؟

سوال:

جی!

جواب:

آپ نے اس چیز کے بارے میں لکھنا تھا جس کو آپ جانتے نہیں ہیں۔

سوال:

قریب رہ کے جاننے کی کوشش کی ہے۔

جواب:

جاننے والا تو اس میں عامل ہو جاتا ہے۔

سوال:

جتنے ہو سکتے تھے اتنے ہو گئے۔

جواب:

یہ تو اس میں ہے پھر۔

سوال:

حالانکہ مجھے ایک بڑا سمجھدار آدمی ملا' اُس نے کہا کہ برخوردار تُو یہاں نہ آیا کر' تم کیوں اپنے دانتوں سے اپنی قبر کھود رہے ہو۔ میں نے کہا کہ میں کیا کر رہا ہوں تو اس نے کہا کہ تم نے پھنس جانا ہے۔ پھر میں بڑے جی جان سے پھنسا اور بڑے شوق سے پھنسا۔ اس میں میری جرنلزم تو بیچ میں ہی رہ گئی۔

جواب:

اس میں جرنلزم نہیں ہے۔

سوال:

جی' جرنلزم تو اس میں رہ گئی۔

جواب:

ان بزرگوں کے علاوہ بھی آپ کے اندر ایک چیز ہے۔ چاہے آپ کتنے ہی ایڈوانس ہو جائیں لیکن آپ لوگوں کے اندر سرکار کی محبت بہت زیادہ ہے۔ یہ ہے!

سوال:

الحمدللہ!

جواب:

ہاں یہ ہے!

سوال:

مجھے اپنے دوستوں اور ساتھیوں پہ ایک Advantage ہے کہ اس معاملے میں میرے پاس اب "لیکن" کوئی نہیں ہے۔ یہ ہٹ گیا ہے۔

سوال:

یہ تو مٹھائی بانٹنے والی بات ہے۔

جواب:

جی، کافی ساری مٹھائی بانٹنی ہے، میں پوری تنخواہ سے مٹھائی کا ٹوکرا بانٹ دوں گا۔

جواب:

ٹھیک ہے۔

سوال:

میں بالکل یہ واضح اعلان کرتا ہوں۔

جواب:

یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ہی فضل ہے، یہ کسی کی Contribution نہیں ہے کہ وہ اس قابل ہو۔ انسانی زندگی میں اتنے اتنے مسائل آتے ہیں کہ معمولی سا واقعہ ہوتا ہے تو قیامت تک مشکل لگتی ہے اور جب اللہ حل فرمانے لگتا ہے تو بات ایک جھٹکے میں حل ہو جاتی ہے۔ اگر ایک مسئلہ ایسا ہو جس کے لیے انسان پھرتا رہتا ہے، کائنات کے ہر حصے میں گیا، یہاں گیا وہاں گیا، درویشوں کے پاس گیا۔ آخر کسی نے کہہ دیا کہ میاں یہ تو یوں ہے تو وہ کہتا ہے کہ اگر یہ یوں تھا تو آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا، اگر میں جانتا کہ یہ یوں ہے تو میں پانی میں نہ گلتا، میں اتنا عرصہ پانی میں کھڑا رہا، اگر یہ بات یوں تھی تو پہلے کیوں نہ بتائی۔ وہ کہتے ہیں کہ بات پہلے نہیں بتاتے بلکہ بتاتے بعد میں ہی ہیں۔ بیتاب کرنے والے جو واقعات ہیں یہ اللہ کی طرف سے عطا ہیں۔ وہ پہلے بیتابی عطا فرماتا ہے، پھر بے تابیوں کو تسکین عطا فرماتا ہے۔ آپ اندازہ لگاؤ کہ اُس نے جتنے محبوب بنائے ہیں ان کو آرام سے سونے نہیں دیا ہے۔ اُس نے سونے ہی نہیں دیا اور پھر خود وضاحت فرماتا ہے کہ آپ نصف شب جاگیں اور نصف شب آرام کر لیا کریں یعنی نصف شب ضرور جاگو، محبوب جو ہوئے۔ مطلب یہ کہ Throughout یہ واقعہ ہے۔ کسی کو کوئی اذیت لگا دی، بیماری، پھوڑا، اور وہ ساری رات جاگ رہا ہے۔ صرف پھوڑا

یا صرف کوئی درد۔ کسی کو خیال کا کوئی درد پیدا ہو گیا کہ یہ کیا ہے، یہ کیوں ہے، ایسا ہے کہ ایسا نہیں ہے، ہو کہ نہ ہو ____ مطلب یہ کہ اُس نے جگانا تھا تو جگا لیا۔ تسکین کا ہاتھ لگائے گا تو اتنے میں سفر ہو چکا ہو گا۔ اتنی سی بات سمجھ آ سکتی ہے۔ اُس کے جگانے کا کبھی کوئی انداز ہے اور کبھی کوئی اور انداز ہے۔ وہ عطا فرماتا رہتا ہے۔ غافل پر جو مشکل ہے وہ ایک قسم کی سزا ہے اور بیدار پر جو مشکل ہے وہ اس کا انعام ہے۔ اور یہ جو فرمایا گیا کہ مجھے فخر ہے غربت پر، وہ جو قریب ہے، جو ساتھ ہے اور جو ماننے والا ہے۔ جو ماننے والا نہیں ہے اس کے لیے غربت ایک Punisment ہے۔ پھر تو غریبی نہیں ہونی چاہیے، نہ ماننے والے کے لیے غریبی ایک سزا ہے، جو تجھے مانتا نہیں ہے اب اسے غریب کیا کرنا ہے، نہ ماننے والے کو رزق دینا چاہیے۔ ماننے والوں پر اذیتیں آتی ہیں اور وہ اس سے گزارے جاتے ہیں۔ انہیں بے تابی ملتی ہے۔ اگر بے تابی نہ ہو تو آپ کا کنٹری سے کیا تعلق، ملک سے واسطہ کیا ہے۔ ہمارا ملک تو ہماری آنے والی قبر ہے۔ پھر وہ آبائی قبرستان میں چلا جائے گا۔ ہمارے والد صاحب ہمارے دادا جان کے ساتھ چلے گئے کیونکہ وہ اُن کا انتظار کر رہے تھے، اب ہمارے بابا ہمارا انتظار کریں گے۔ آسان سی بات ہے۔ سب ساتھ ساتھ ملتے جائیں گے۔ ایسے ہی ہوتا ہے ناں؟ قبرستان ہی ہمارا ملک ہے، وہاں ہمارے دشمن بھی رہتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی ہیں۔ اگر آپ کی بیتابی میں ملک شامل ہو گیا، اگر آپ کی بیتابی میں ملّت شامل ہو گئی اور آپ یہ دیکھنا چاہیں گے کہ اسلام ہے کہ نہیں ہے، ہونا چاہیے کہ

نہیں ہونا چاہیے' اگر یہ آپ کے احساس میں آ گیا تو آپ یہ احساس کھڑا کر کے جائیں۔ آپ یہ فیصلہ کر کے جائیں۔ میری طرف سے یہ رائے ہے کہ فیصلہ ضرور کر کے جانا۔ رعایت نہ کرنا' مثلاً یہ کہ یہ ہے کہ نہیں ہے' یہ ہو کہ نہیں ہو' بلکہ فیصلہ ضرور کرنا لیکن صرف حقیقت کا۔ یعنی کہ یہ ہے تو پھر ہے! پھر جو فیصلہ ہوتا ہے وہ ایسا فیصلہ ہوتا ہے کہ کمال ہوتا ہے۔ تکلفاً یہ نہ کہنا کہ یہ پاکستان ہے' کیونکہ ہمارا ملک ہے اس لیے بہت اچھا ہے۔ کہتا ہے کہ آپ کا بیٹا کہاں ہے تو وہ کہتا ہے کہ بیٹا باہر گیا ہوا ہے۔ دوسرا بیٹا؟ کہتا ہے کہ وہ بھی باہر گیا ہوا ہے۔ تیسرا بیٹا بھی باہر چلا گیا۔ سارے باہر رہنے والے باہر کے ہیں تو پھر آپ کون ہو؟ پھر آپ کا ملک کیا ہے؟ یہ تو نہ ہو کہ سارے ہی باہر چلے گئے۔ اگر نسبت نہیں ہے تو پھر ملک کیسا؟ ملک ہو' نسبت ہو' واقعات ہوں' احساس ہو اور بے تابی ہو تو اللہ کا فضل و کرم ہو جائے گا۔ اور آپ کے اندر تحقیق کا مادہ ہو تو آپ دیکھیں گے کہ ادھر ہی جلوے ہیں۔ وہ آپ دیکھیں گے۔ یہ جو آپ نے مانا ہے تو یہ تو تکلفاً مانا ہے۔ اگر اللہ کو مان لیا ہے تو اب آپ کی ذمہ داری ہے اور پھر اللہ کچھ دکھائے۔ اگر حجابات ویسے کے ویسے رہیں' اندیشے ویسے رہیں' ہر آدمی ہر دوسرے آدمی سے بدگماں ہے' ہر آدمی پریشان ہے' ہر آدمی دُکھی ہے ____ پھر یہ کیا بات ہے۔ ہم تو یہ آہستہ سے کہہ رہے ہیں مگر آگے آنے والی نسل ویسے ہی بول پڑے گی۔ اگر آپ درمیان میں نہ بولے تو وہ بول پڑے گی۔ اگر نسل بول پڑی تو سارا واقعہ گیا' ختم ہو جائے گا۔ اس لیے آپ تحقیق کر لیں اور تحقیق کرنے

کے بعد آپ بسم اللہ پڑھ کے بولیں۔ بس یقین کی منزل ہو۔ اور کچھ نہ کرو تو صرف یقین ہی Restore کر جاؤ۔ اس میں مشکل ہے۔ چلو Hope کو ہی Restore کر جاؤ' لوگوں کو اللہ کے فضل سے مایوس نہ ہونے دو۔ ہمیں اس سے غرض نہیں ہے کہ حکومت فوج کرے یا سول کرے یا سیاست دان کرے مگر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس تو نہ ہونے دو۔ سادہ سادہ اور شریف لوگ ہیں' اپنے اندیشوں میں مبتلا ہیں۔ ان کو بلاوجہ ہی مبتلا کر دیا گیا۔ کوئی اِدھر سے بات کر گیا اور کوئی اُدھر سے بات کر گیا' کوئی اِدھر سے واقعہ ہو گیا اور کوئی اُدھر سے واقعہ ہو گیا اور بیچارے غریب آدمی کا اللہ پر بھروسہ گیا۔ اور ملّت اسلامی کی خبریں جو ہیں یہ ہمارے احساس کے اندر گھر کرتی جا رہی ہیں۔ اس لیے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے اندیشوں سے بچائے' اللہ تعالیٰ اپنا فضل عطا فرمائے اور ہم اس کے فضل کی روشنی میں سفر طے کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل کے پاس رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یا رب العالمین کرم فرما۔ یا رب العالمین ہماری رہنمائی فرما' حقیقت سے آگاہ فرما۔

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ سیدنا و مولنٰا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین۔

O

ترتیب : ڈاکٹر مخدوم محمد حسین

مطبوعات کاشف پبلی کیشنز

تصانیف

حضرت واصف علی واصفؒ

1	کرن کرن سورج	(نثر پارے)
2	دل دریا سمندر	(مضامین)
3	قطرہ قطرہ قلزم	(مضامین)
4	حرف حرف حقیقت	(مضامین)
5	شب چراغ	(اردو شاعری)
6	The Beaming Soul	(Aphorisms)
7	Ocean in a drop	(Essays)
8	بھرے بھڑولے	(پنجابی شاعری)
9	شب راز	(اردو شاعری)
10	بات سے بات	(نثر پارے)
11	گمنام ادیب	(خطوط)
12	مکالمہ	(مذاکرے، مقالات، انٹرویو)
13	ذکرِ حبیبؐ	
14	دریچے	(نثر پارے)
15	گفتگو۔1	(سوال جواب)
16	گفتگو۔2	(سوال جواب)
17	گفتگو۔3	(سوال جواب)
18	گفتگو۔4	(سوال جواب)
19	گفتگو۔5	(سوال جواب)
20	گفتگو۔6	(سوال جواب)
21	گفتگو۔7	(سوال جواب)

﴾کاشف پبلی کیشنز﴿

301-A' جوہر ٹاؤن-لاہور

http://www.wasifaliwasif.org